وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۷ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ فروری ۲۰۲۴ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27، فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ● مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی وہاڑی گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

مسئلہ فلسطین اور 'دو ریاستی حل' کی نامعقول تجویز	کلمۃ المدیر	۳
نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ کی حقیقت ومعرفت	شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان	۹
ماہِ رجب اور واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی	۱۲
ووٹ کی شرعی حیثیت	مولانا قاضی محمد نسیم کلاچی	۱۹
''تیسیر مصطلح الحدیث'' کا تعارف	مفتی محمد صدیق ابوالحاج مظفری	۲۴
فلسطین احادیثِ طیبہ کی روشنی میں	جناب محمد اَسعد نعمانی	۳۸
فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق (۱)	ڈاکٹر محسن محمد صالح	۴۲
تلاش معاش۔ یا کارِ نبوت؟	مولانا عبدالقدوس محمدی	۵۴
اُستاذ العلماء مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ!!	مولانا مفتی عطاء اللہ، سرانان	۵۸
تبصرہ کتب	محمد اَحمد حافظ	۶۱

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

کلمۃ المدیر

مسئلہ فلسطین اور ’دوریاستی حل‘ کی نامعقول تجویز

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

الحمدللہ فلسطین میں تین ماہ بعد بھی قبلہ اوّل کی آزادی کی جنگ جاری ہے، میدان جنگ میں مجاہدین فلسطین کی شجاعت، دلیری، جوانمردی، دشمن کے ساتھ دوبدو پنجہ آزمائی، صہیونیوں کی ذلت ورسوائی، اور پسپائی کے مناظر اہل ایمان کے لیے تسلی کا سامان ہیں۔ مجاہدین فلسطین غاصبوں پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے ہیں اور پلٹ کر پھر جھپٹتے ہیں، غاصب اسرائیلیوں کے دبّابات (ٹینک) اور جرافات (بلڈوزرز) کا وہ حشر کررہے ہیں کہ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت میں اہل غزہ نے گھمسان کی قدیم جنگوں کی یاد تازہ کردی ہے ......انسان ان کے آہنی عزائم، اور بے مثال مقاومت کو دیکھتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اشعار یاد آجاتے ہیں؛ جن وہ اپنے رفیق صدیق اور عابدالحرمین حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو مخاطب ہوکر کہتے ہیں:

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا لَعَلِمْتَ اَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ

مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوْعِهِ فَنُحُوْرُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ

اَوْ كَانَ يَتْعَبُ خَيْلُهُ فِيْ بَاطِلٍ فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّبِيْحَةِ تَتْعَبُ

رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا رَهْجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْاَطْيَبُ

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سوائے مصری سرحد پر واقع رفح کے؛ ہر جگہ جنگ ہورہی ہے۔ غزہ سٹی کے شمالی علاقے جبالیا، مغرب میں شیخ رضوان اور مشرقی علاقے شجاعیہ، غزہ سٹی کے جنوب میں بحر الدیک، وسطی غزہ میں دیرالبلح اور جنوب میں خان یونس، غرض شمال سے جنوب تک چپے چپے پہ نہایت خوں ریز جنگ تادمِ تحریر جاری ہے۔

یہ محض نصرت الٰہی ہی ہے کہ تین ماہ کے عرصے میں ایٹمی پاور اور دنیا کے مہلک ترین اسلحے کے انبار رکھنے والے اسرئیلی صہیونی کسی ایک علاقے کے بارے میں بھی اس طرح کا اعلان کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکے کہ انہوں نے وہاں سے حماس کو بیدخل کردیا ہے یا انہیں اتنا کمزور کردیا ہے کہ اب وہاں ان کے حملے کا کوئی امکان نہیں۔

شمالی غزہ سے صہیونیوں پر میزائیل برسنے کا سلسلہ اب بھی وقفے وقفے سے جاری رہتا ہے۔ راکٹ برسنے سے دشمن کا بہت زیادہ نقصان ہو نہ ہو، مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس کی وجہ سے غاصب صہیونی آبادکاروں کی نیندیں حرام

ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مسلح جتھے بھی نفسیاتی دباؤ کے زیرِ اثر رہتے ہیں۔صہیونی تو ہر وقت کے بجتے سائرن کی وجہ سے جبکہ مسلح جتھے اس وجہ سے کہ انہوں نے بمباری کی انتہا کر دی مگر اب بھی نہ صرف اسی خطے کے گلی کوچوں میں سخت مزاحمت کا سلسلہ جاری ہے بلکہ وہاں سے برابر راکٹ بھی برسائے جا رہے ہیں۔گویا راکٹ برسانا ’’ہم اب بھی میدان میں پورے قد سے کھڑے ہیں‘‘ کا علامتی اظہار ہے۔

صہیونی افواج پینترے بدل بدل کر حملے کر رہی ہیں،کبھی جنگی علاقوں میں ٹینک اور بلڈوزر بھیجے جاتے ہیں اور کبھی پسپائی اختیار کی جاتی ہے،پھر تازہ دم دستے بھیجے جاتے ہیں؛لیکن دو چار روز میں ہی ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔ماہرین کے بقول یہودی شاید اب بمباری پہ زیادہ انحصار کرنے جا رہے ہیں،تاکہ یہودیوں کی ہلاکتوں کم کیا جا سکے۔حکمت عملی میں یہ تبدیلی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ میدانِ جنگ میں یہودیوں کو نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی ہے بلکہ ان کی ہلاکتیں بھی بہت زیادہ ہو رہی ہیں،ایک ذریعے کے مطابق اس جنگ میں ۱۲۵۰۰/اسرائیلی فوجی معذور ہو چکے ہیں،اسی پر ہلاکتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔اگر چہ نیتن یاہو کے بقول حماس کے کچھ ہزار مجاہدین شہید ہوئے ہیں،مگر حقیقت یہ ہے کہ حماس مجاہدین کی شہادتیں یہودیوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حماس اور اس کی حلیف مزاحمتی تنظیموں کی حکمت عملی پہ گوریلا جنگ کی چھاپ دکھائی دے رہی ہے۔سرفروش کسی گلی،سرنگ،مکان یا کسی بلڈنگ کے ملبے کے اندر سے اچانک نمودار ہوتے ہیں۔گولیاں اور راکٹ برساتے ہیں،اسرائیلیوں کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں خاکستر کرتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔کہیں کہیں دو بدو جھڑپیں بھی ہوتی ہیں۔اس وقت تک حماس مجاہدین کے اعصاب پُرسکون ہیں۔اس کا یہی مطلب ہے کہ جنگ ان کے بنائے ہوئے منصوبے اور توقع کے مطابق آگے بڑھ رہی ہے۔صہیونی صلیبی افواج کے گلے میں پڑے پھندے کا حلقہ آہستہ آہستہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔مجاہدین فلسطین نے اس جنگ میں جن محیر العقول مہارتوں کا استعمال کیا ہے وہ آئندہ وار کالجز میں بطور نصاب پڑھائی جائیں گی۔

فلسطینی مجاہدین تو ستائش کی مستحق ہیں ہی مگر اصل داد و ستائش کے مستحق غزہ کے عوام ہیں۔ان کی ثابت قدمی میدان میں برسرِ پیکار مجاہدین سے کسی بھی طور کم نہیں ہے۔ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ شاید غزہ کی ساری پٹی سے فلسطینی سمٹ کر رفح کے علاقے میں اکٹھے ہو چکے ہیں؛ایسا نہیں ہے۔ابھی بھی عوام کی اچھی خاصی تعداد نہ صرف دیر البلح کے علاقے میں موجود ہے بلکہ شمال کے وہ علاقے جہاں شدید جنگ جاری ہے،وہاں بھی اس وقت بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ان لوگوں نے اپنی سرزمین نہ چھوڑنے کی قسم کھا رکھی ہے،ورنہ اس نوعیت کی وحشت ناک جنگ میں جہاں عام لوگوں کو شعوری طور پر نشانہ بنایا جا رہا ہو،افواج کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے ہیں،مگر

غزہ کے عوام تمام تر مصائب ومشکلات اور آتش و بارود کی برسات کے باوجود ثابت قدم ہیں۔

عرب ممالک اور اسرائیل کے درمیان چار جنگیں ہو چکی ہیں مگر اسے نفسیاتی، افرادی اور معاشی طور پر اس قدر نقصان کبھی نہیں اٹھانا پڑا، جتنا اس بار اٹھانا پڑ رہا ہے۔ مختلف طرح کے نقصانات کے تخمینے باقاعدہ طویل مضامین اور کالمز کے متقاضی ہیں، البتہ نفسیاتی نقصان اس قدر بڑا اور شدید ہے کہ اگر یہودی یہ جنگ نہ جیت سکے تو دہائیوں تک اس کا مداوا نہیں کیا جاسکے گا۔ وہ یہ کہ اس بار یہودی کسی ملک کی باقاعدہ فوج کی بجائے ایک گوریلا فورس سے نبرد آزما ہیں اور تین ماہ کی جنگ کے باوجود اسے شکست دینا تو درکنار، اسے کسی ایک محاذ پہ بھی پسپا نہیں کر سکے یہ تاثر اتنا گہرا ہے کہ اس نے غاصب یہودیوں کا ایشیا خصوصاً مشرقِ وسطیٰ میں طاقتور ترین اور ناقابلِ شکست عسکری طاقت ہونے کے بھرم کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں۔ یہی ذلت آمیز کیفیت ہے جس کی وجہ سے اسرائیلی کابینہ میں پھوٹ پڑ چکی ہے۔

اگر چہ فلسطین پر قابض یہودیوں نے تمام محاذوں پر اپنے کثیر جانی نقصانات کو چھپا رکھا ہے۔ مگر سات اکتوبر کو آپریشن ”طوفان الاقصیٰ“ کے آغاز پر اور جو کچھ اس کے بعد اب ہو رہا ہے اس نے فلسطین کا یہودیوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ ہونے کے وہم کو توڑ دیا ہے جس کی بنیاد پر یورپی نسل کے یہودی مقبوضہ فلسطین پر زبردستی قابض ہو رہے تھے۔ یہودی اب تک اپنے کسی قیدی کو زندہ بازیاب کرانے میں بھی ناکام رہے ہیں۔ صہیونی انٹیلی جنس موساد کے سابق سربراہ یوسی کوہن نے اعتراف کیا ہے کہ حالیہ اسرائیلی اقدامات نے اسرائیل کی بقا کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اسرائیلیوں کو اپنے سابقہ اوطان روس، پولینڈ، برطانیہ وغیرہ لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے؛ بشرطیکہ وہ اب انہیں قبول کر لیں۔ یہ تو مصدقہ خبریں ہیں کہ ”طوفان الاقصیٰ“ کے آغاز کے بعد پانچ لاکھ کے قریب آباد کار (غیر مقامی) اسرائیل سے فرار ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی تجارت کو شدید دھچکا لگا ہے، اس کی بندرگاہیں ویران ہو چکی ہیں، اور اس ویرانی کی وجہ سے بیروزگاری بھی بڑھی ہے۔

آپریشن ”طوفان الاقصیٰ“ کے نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے فلسطین کی سرزمین پر قائم یہودیوں کی ”ناجائز ریاست اسرائیل“ کو ناپید ہونے کے راستے پر ڈال دیا ہے۔

یہ ایک بالکل واضح تصویر ہے جو حالات و واقعات کے تجزیے کے بعد سامنے آتی ہے۔ ایسے میں عالم کفر کے علاوہ بعض مسلم ممالک کی جانب سے فلسطین کے ”دو ریاستی حل“ کو تجویز کرنا اسرائیل کے ساتھ ہمدردی، شہدائے فلسطین، مجاہدین فلسطین اور باشندگان فلسطین سے بے وفائی اور قبلہ اوّل سے غداری تصور ہوگا۔

ہمارے خیال میں دو ریاستی حل خود اسرائیل کو بھی منظور نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ فلسطینی

جانبازوں کی صورت میں ایک مستقل تلوار اس کے سر پہ لٹکی رہے۔اسی طرح فلسطینی مجاہدین بھی اب کسی صورت اپنی سرزمین پر کسی غاصب کو برداشت کرنے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ مسئلہ فلسطین کا اس وقت واحد حل ’جہاد‘ ہے۔ ہماری صمیم قلب سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدینِ فلسطین کو ثابت قدم رکھے،ان کی قربانیوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے،اورانہیں ایسی عظیم فتح سے ہمکنار کرے جومقبوضہ فلسطین کی بازیابی اور غاصب صہیونیوں کے مکمل انخلاء پر منتج ہو۔

غزہ میں جو کچھ ہورہا ہے اس نے ثابت کر دیا کہ ’’بین الاقوامی ادارے‘‘،’’بین الاقوامی برادری‘‘اور’’بین الاقوامی قانون‘‘کسی مسلمان کی حفاظت کرنے کے لیے نہیں ہیں،وہ محض صہیونیوں،نصرانیوں اور لبرلز کے حقوق کے تحفظ کے لیے بروئے کار آتے ہیں۔ چناں چہ عالم اسلام پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ قبلہ اوّل کی آزادی کی جنگ لڑنے والے فلسطینی بھائیوں کی دامے،درمے،سخنے......کسی بھی طرح کی مدد سے دریغ نہ کریں،ان کے ساتھ جو ادارے مالی معاونت کررہے ہیں ان کے ذریعے اپنے عطیات بھیجیں،انہیں پانچوں وقت کی نمازوں میں یاد رکھیں،ان کی ثابت قدمی اور فتح ونصرت کے لیے خصوصی دعائیں کریں۔

اس وقت فلسطینی بھائیوں کی مدد کا آسان ترین عمل صہیونی یہودی مصنوعات کے بائیکاٹ کا ہے۔یہودی اسرائیلی کمپنیوں کی فہرستیں عام ہیں،ان کی مصنوعات کا بھرپور بائیکاٹ کیا جائے۔اسی ضمن میں عرض ہے اپنے وطن کی مصنوعات کو فروغ دیا جائے،تاکہ پاکستانی معیشت کو سنبھالا ملے،اور مقامی کمپنیوں کے قدم مضبوط ہوں۔

۸رفروری...... پاکستانی قوم کے امتحان کا دن

کوئی اَنہونی نہ ہوئی تو ۸رفروری ۲۰۲۴ء کو وطن عزیز پاکستان میں قوم آئندہ مدت کے لیے نئے حکمرانوں کا انتخاب کرے گی۔اب تو جب بھی ایسا موقع آتا ہے تو دل لرزنے لگتا ہے کہ نہ جانے الیکشن کے بعد کیسی قیادت ہمیں میسر آتی ہے؟!اللہ کریم سے دعا ہے کہ یہ مرحلہ بخیر وخوبی گذر جائے،اور اہل وطن کو اچھی قیادت میسر آئے۔

پاکستان کی پچھتر برس کی تاریخ میں کئی جمہوری ادوار آئے اور گئے۔اس دوران بہت سے قومی المیوں اور حادثات نے جنم لیا بعض واقعات نے پاکستان کے سیاسی اور سماجی ڈھانچے پر دور رس نتائج واثرات چھوڑے۔

پاکستان کو ناکردہ گناہوں کا گناہ گار قرار دے کر اسے ہر طرف سے گھیرنے کی کوشش کی گئی۔کون سی عالمی طاقت ہے جس نے اپنی پراکسیز کے ذریعے اس کے وجود کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کی؟!...... یہ صورت حال جیسی کل تھی آج بھی برقرار ہے،بلکہ بعض حوالوں سے’’کل‘‘کی نسبت’’آج‘‘کا منظرنامہ خاصا بھیانک ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ۲۰۱۸ء کے بعد سے اب تک کا دور ایک بھیانک خواب کی طرح گذرا ہے۔پورا عرصہ

سیاسی، معاشی اور اقتصادی کشاکش میں صرف ہوا۔

☆......دینی مدارس کے خلاف گھیرا تنگ کرنے، ان کا کردار محدود کرنے، اور ان کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔

☆......دینی مسلّمات اور نظریہ پاکستان کے علی الرغم قومی اور صوبائی سطح پر قانون سازی سمیت متعدد دین وملک دشمن اقدامات کیے گئے۔

☆......آئین میں موجود اسلامی شقوں کو ختم کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی گئیں۔ عقیدہ ختم نبوت جو ہمارے ایمان کی اساس ہے، سے متعلق قوانین پر کاری وار کیا گیا۔

☆......لبرل ازم، سیکولرازم کی ترویج اور پاکستان کو ایک مذہب بیزار اسٹیٹ بنانے کے ناپاک منصوبوں کو آگے بڑھایا گیا۔ ملک دشمن این جی اوز کو کھلی چھوٹ دی گئی، اس مقصد کے لیے شعبہ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو بطور خاص استعمال کیا گیا۔

☆...... غیر مسلم اقلیتوں خصوصا قادیانی اور ہندو کمیونیٹیز کو ماورائے آئین آزادیاں دی گئیں۔

☆......صحت، تعلیم، صنعت وتجارت، زراعت اور آبی ذخائر کی ترقی وبہتری مسلسل پس پشت رہی۔ کنزیومرازم کو فروغ دے کر سرمایہ دارانہ نظام کو مضبوط کیا گیا۔ اداروں کی باہمی چپقلش دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ کل تک زبانیں جن باتوں کی سرگوشیاں کرنے سے بھی کتراتی تھیں، آج کھل کر کہی جانے لگی ہیں، نیک وبد اور اچھے برے کی تمیز ختم ہو چکی ہے۔ لمحہ موجود میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو تسلی آمیز ہو۔ بسا اوقات محسوس ہوتا ہے کہ اب ہمیں اپنی تباہی کے لیے کسی بیرونی دشمن کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

......ظاہر ہے کہ یہ تمام ناکامیاں، ابتریاں اور ہر ہر مرحلے پر پسپائیاں انہی ہاتھوں سے انجام پائی ہیں جنہیں باشندگان وطن نے پانچ برس قبل اقتدار کے ایوانوں اور قانون ساز اداروں میں بھیجا تھا۔

یہ ساری کتھا بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب ایک بار پھر قانون ساز اداروں میں نمائندگان بھیجنے کا مرحلہ آپہنچا ہے، اگر ہم نے اجتماعی خودکشی کا ارادہ نہیں کیا ہے، ہمیں دین وملت اور پاکستان عزیز ہیں تو اس موقع پر ہمیں باشعور قوم ہونے کا ثبوت دینا ہوگا۔ ننگ دین وملت افراد سے جان چھڑا کے ایسے افراد کو آگے لانا ہوگا جو اس وطن کا، اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا، اس کی تعمیر وترقی کا حقیقی درد رکھتے ہوں۔ جو اس ملک کے حقیقی خیر خواہ ہوں اور جو قومی خزانے سے اپنی ذاتی تجوریاں بھرنے میں دلچسپی رکھنے کی بجائے ملک وقوم کی خدمت کو ترجیح دیتے ہوں۔ جن کی اسلام اور نظریہ پاکستان سے وفاداری کسی بھی شک وشبہے سے بالا ہو۔

یقین فرمائیے سیکولر قوتیں اپنے مفادات کے حصول اور من پسند افراد کو قانون ساز اداروں میں پہنچانے کے لیے پوری محنت وقوت صرف کر رہی ہیں، وہ کسی ایک سیاسی تنظیم پر اکتفا کیے نہیں بیٹھی ہیں بلکہ ان کے کارندے ہر سیاسی تنظیم میں موجود ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قانون ساز اداروں میں پہنچ کر مختلف اطراف سے یورش کر کے پاکستان کے آئین سے اسلامی دفعات کو ختم کرایا جا سکے، نیز ایسے قوانین متعارف کرائے جائیں جو وطن عزیز کی اسلامی نظریاتی ساکھ کو سرے سے کھرچ کے رکھ دیں۔ ایسے میں دین پسند افراد کی جانب سے سستی اور غفلت آنے والے وقت میں بھیانک نتائج سامنے لا سکتی ہے۔ ''ووٹ'' محض ایک پرچی کا نام نہیں بلکہ اس سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے، اس کا بغیر کسی گروہی، جماعتی، تنظیمی اور لسانی تعصب کے صحیح استعمال ہی مستقبل کے منظر نامے میں بہتری لا سکتا ہے۔

وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات: ۱۴۴۵ھ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحانات امسال......کو ہو رہے ہیں۔ الحمدللہ وفاق المدارس کا طرہ امتیاز ہے کہ امتحانات کے لیے جو تاریخیں طے کی جاتی ہیں تو انہی تاریخوں میں؛ خواہ سردی ہو یا گرمی، برف باری ہو یا چلچلاتی دھوپ کا موسم بہر صورت متعین تاریخوں میں امتحانات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

درجہ کتب کے امتحانات کے سلسلے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ہزاروں مدارس و جامعات کے لاکھوں طلبہ و طالبات کو رول نمبر سلپس کا آن لائن اجراء کیا، یہ رول نمبر سلپس صرف مدارس کے ذمہ داران خفیہ کوڈ کے ذریعہ حاصل کر سکتے تھے، انفرادی رول نمبر سلپس حاصل نہیں کی جا سکتی تھیں۔ مجموعی طور پر بائیس مختلف درجات کے امتحانات لئے جائیں گے، جن میں طلبہ و طالبات کے درس نظامی، دوسالہ دراسات دینیہ کورس، تجوید للحفاظ و الحافظات سمیت ابتدائی عصری نصاب متوسطہ کے درجات شامل ہیں۔

امسال درجہ کتب میں امتحان دینے والے کل طلبہ وطالبات کی تعداد: ۵۸۸۲۳۴ (پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار دوسو چونتیس) ہے۔ صرف دورہ حدیث میں امتحان دینے والے طلبہ وطالبات کی تعداد: ۶۱۶۸۶ (اکسٹھ ہزار چھ سو چھیاسی) ہے۔ تجوید للحفاظ کے امتحان میں: ۹۳۴۲ (نو ہزار تین سو بیالیس) طلبہ وطالبات نے امتحان دیا، جبکہ درجہ حفظ کے امتحان میں: ۱۰۱۸۳۸ (ایک لاکھ ایک ہزار آٹھ سو اڑتیس) طلبہ وطالبات نے امتحان دیا۔

حفظ کے امتحان ہو چکے جبکہ درجہ کتب کے امتحانات ان شاء اللہ حسب روایات سابقہ اپنی مقررہ تاریخوں میں ہوں گے۔ اس کے بعد چاروں صوبوں میں پرچوں کی مارکنگ ہوگی، جس کے بعد دفتر وفاق کا عملہ جلد امتحانی نتائج تیار کر کے ان شاء اللہ رمضان المبارک سے قبل ہی نتائج کا اعلان کر دے گا۔

مقالات ومضامین

نفس امارہ نفس لوامہ، نفس مطمئنہ کی حقیقت ومعرفت

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

يَا اَيَّتُهَا النَّفُسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارُجِعِیُ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِيَةً مَّرُضِيَّةً٥

اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر و قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش دین کے تابع نہ ہوجائے‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَفُسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا قَدُ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا وَقَدُ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا

’’قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا پھر اسے اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری بتائی تحقیق وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اس نفس کو پاکیزہ بنایا اور ناکام ورسوا ہوا وہ شخص جس نے اسے خاک آلودہ کیا۔‘‘ (سورہ الشمس)

اللہ رب العزت نے دین اسلام کے ذریعہ جہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دی وہاں نفس کے حقوق سے بھی آگاہ کیا۔

نفس انسان کے اندر ایک ایسی قوت کا نام ہے جس سے انسان اپنے لیے خیر یا شر چاہتا ہے۔ کبھی انسان اس کو ذات سے تعبیر کر لیتا ہے کبھی اپنے دل سے تعبیر کر لیتا ہے۔ جیسے یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کام کروں اور میرا دل یہ نہیں چاہتا، دراصل یہ انسان کا نفس ہے جس سے انسان کسی چیز کی خواہش کرتا ہے چاہے وہ خواہش اچھی ہو یا بری۔ جس طرح بندوں میں سے مختلف افراد کے حقوق مختلف ہوتے ہیں اسی طرح نفس کی حالت کے اعتبار سے اس کے حقوق بھی مختلف ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں نفس کی تین حالتیں بتائی ہیں اگر وہ ذہن میں ہوں تو نفس کی حقیقت اور

پھر اس کے حقوق بخوبی ذہن میں آجاتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کی ایک 'حالت نفس مطمئنہ'، دوسری حالت 'نفس امارہ' اور تیسری حالت 'نفس لوامہ' بیان کی گئی ہے۔ اگر نفس خیر کی طرف مائل ہو، اللہ تعالی کی عبادت اور فرمانبرداری میں انسان کو خوشی حاصل ہو، دین اسلام کے احکام پر عمل کر کے سکون واطمینان محسوس ہو تو نفس مطمئنہ ہے۔ اس حالت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر کی ستائیسویں آیت میں فرمایا ہے:

یَا اَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ o ارۡجِعِیۡ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةًo فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ وَادۡخُلِی جَنَّتِیۡo

''اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔''

یہ ''نفس مطمئنہ" کی حالت تھی دوسری حالت ''نفس امارہ'' کی ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف کی آیت نمبر (۵۳) میں فرمایا:

وَمَا اُبَرِّءُ ی نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَا مَّارَةٌ بِّالسُّوۡءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیۡ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس برائی پر ابھارتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم کرے۔

یہاں سے نفس کی دوسری حالت معلوم ہوئی یعنی نفس اگر برائی ہی کی طرف لگا رہے دنیا کی خواہشات اور اس کی چیزوں میں نفس کو مزا آئے اور دین اسلام کے احکام سے نفس بچنا چاہتا ہو تو یہ ''نفس امارہ" ہے۔ اسے ''نفس امارہ'' اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

اب نفس کی ایک تیسری حالت بھی ہے کہ وہ نفس کبھی برائی کی طرف جھکتا ہے من مانی کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے لیکن پھر گناہ ہونے پر شرمندہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے یہ ''نفس لوامہ'' ہے۔ یعنی ملامت کرنے والا نفس نفس کی اس حالت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ القیامہ کی دوسری آیت میں فرمایا:

وَلَا اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ

اور قسم ہے اس نفس کی جو ملامت کرے۔

نفس کی ان تینوں حالتوں کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح کے نفس کے کیسے حقوق ہیں؟۔ ظاہر ہے کہ صرف نفس کی خواہشات کو پورا کرتے رہنا، اُسے خوش رکھنا؛ یہ حقوق ادا کرنا شمار نہیں ہوگا جیسے ایک بچہ شریف النفس ہو محنتی ہو اسے شاباش دی جائے تو اس کے حق کو ادا کرنا ہے ایک بچہ انتہائی شرارتی ہو نافرمان ہو تو اس کی

اصلاح کرنا اور اسے ہر طرح سمجھانا یہ اس کا حق ہے۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین افراد کے بارے میں معلوم ہوا جن میں سے ایک نے اپنے لیے یہ طے کیا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا بس عبادت کرتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا تیسرے نے کہا کہ میں کبھی رات کو نہیں سویا کروں گا اور خوب عبادت کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ تم مجھ سے نیکی اور تقویٰ میں ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اور اپنے نفس کے حقوق سے آگاہ کرتے ہوئے یہ تعلیم دی:

اِنَّ لِنَفۡسِکَ عَلَیۡکَ حَقًّا...... ''بے شک تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے۔''

نفس کو پاکیزہ بنانا اور برائیوں کی آلودگیوں سے بچانا یہ کس کا حق ہے۔ لہذا صرف کھانا پینا، آرام و آسائش مہیا کرنے سے نفس کے حقوق ادا نہیں ہوتے بلکہ نفس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خوبیوں سے سجانا نفس کا حق ہے نفس کو سچائی اور صبر کا خوگر بنانا، وعدہ پورا کرنا، امانت، عدل وانصاف، سخاوت، قناعت، دیانت داری توکل وتواضع علم و بردباری، حیاء، خودداری جیسی اعلی صفات سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا یہ نفس کا حق ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت نے ہم پر یہ واضح فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا...... ''یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔''

اس طرح نفس پر اس کی طاقت اور گنجائش کے مطابق بوجھ ڈالنا یہ بھی اس کا حق ہے جس ذات نے ہمارے نفس کو پیدا فرمایا اس نے ارشاد فرمایا:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا

یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت اور گنجائش کے مطابق ہی اپنے احکام کا مکلّف اور پابند فرماتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نفس کو ان تمام برائیوں سے بچنے کی تعلیم دی جو اس نفس کو نقصان پہنچا سکتی ہیں یہ مال کی حرص، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان تراشی، غصہ، حسد، بغض، بخل، فضول خرچی، تکبر، نفرت اور دشمنی جیسی باتوں سے نفس کو بچانا اس کا حق ہے۔

اللہ رب العزت ہمارے نفس کو نفس مطمئنہ بنادے۔ گناہوں اور برائیوں سے نفرت ہو۔ آپس میں محبت والفت ہو، عبادات اور نیکی کا شوق ہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی میں مزا آئے، اسی میں سکون نصیب ہو۔ آمین!۔

☆......☆......☆

ماہِ رجب اور واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی

اسلامی سال کا ساتواں مہینہ رجب المرجب ہے۔ رجب اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے:

''اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہیں، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ ہیں جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے ہیں۔'' (التوبہ)

ان چار مہینوں کی تحدید قرآن کریم میں نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب۔ معلوم ہوا کہ حدیثِ نبوی کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ ان چار مہینوں کو اشہرِ حرم (حرمت والے مہینے) اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام جو فتنہ وفساد، قتل و غارت گری اور امن وسکون کی خرابی کا باعث ہو، سے منع فرمایا گیا ہے، اگرچہ لڑائی جھگڑا سال کے دیگر مہینوں میں بھی حرام ہے، مگر اِن چار مہینوں میں لڑائی جھگڑا کرنے سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت وعظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلّم رہی ہے، حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

رجب کا مہینہ شروع ہونے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.'' مسند احمد، بزار، طبرانی، بیہقی)

''اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرما اور ماہِ رمضان تک ہمیں پہنچا۔''

لہٰذا ماہِ رجب کے شروع ہونے پر ہم یہ دعاء یا اس مفہوم پر مشتمل دعاء مانگ سکتے ہیں۔ اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رمضان کی کتنی اہمیت تھی کہ ماہِ رمضان کی عبادت کو حاصل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان سے دو ماہ قبل دعاؤں کا سلسلہ شروع فرمادیتے تھے۔ ماہِ رجب کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت حاصل ہوئی، جس سے ماہِ رجب کا کسی حد تک مبارک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ماہِ رجب میں کسی خاص نماز پڑھنے کا یا کسی معین دن کے روزے رکھنے کی خاص فضیلت کا کوئی ثبوت احادیثِ صحیحہ سے نہیں ملتا ہے۔ نماز وروزہ کے اعتبار سے یہ مہینہ دیگر مہینوں کی طرح ہی ہے۔ البتہ رمضان کے پورے ماہ کے روزے رکھنا ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہیں اور ماہِ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی ترغیب احادیث میں موجود ہے۔ ماہِ

رجب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا کیا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء ومورخین کی آراء مختلف ہیں۔ البتہ دیگر مہینوں کی طرح ماہِ رجب میں بھی عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے۔اسلاف سے بھی اس ماہ میں عمرہ ادا کرنے کے ثبوت ملتے ہیں۔

واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس واقعہ کی تاریخ اور سال کے متعلق، مورخین اور اہل سیر کی آراء مختلف ہیں، ان میں سے ایک رائے یہ ہے کہ نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب کو ۵۱ رسال ۵ رمہینہ کی عمر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، جیسا کہ علّامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مہرِ نبوت'' میں تحریر فرمایا ہے۔اِسراء کے معنیٰ رات کو لے جانے کے ہیں۔مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجدِ اقصیٰ کا سفر جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل میں

''سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰی ''میں کیا گیا ہے، اس کو اِسراء کہتے ہیں۔اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔''معراج'' عروج سے نکلا ہے جس کے معنیٰ چڑھنے کے ہیں۔حدیث میں ''عُـرِجَ بِـی''یعنی'' مجھ کو اوپر چڑھایا گیا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس لیے اس سفر کا نام معراج ہوگیا۔اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔اس واقعہ کا ذکر سورہ نجم کی آیات میں بھی ہے:

''پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک، اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔''

سورۃ النجم کی آیات ۱۳-۱۸ میں وضاحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقع پر) بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں:

''اور حقیقت یہ ہے انہوں نے اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے۔اس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے، اسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے، اس وقت اس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں۔(نبی کی) آنکھ نہ تو چکرائی اور نہ حد سے آگے بڑھی، سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا ہے۔''

اور یہ واقعہ احادیثِ متواترہ سے بھی ثابت ہے، یعنی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی ایک بڑی تعداد سے معراج کے واقعہ سے متعلق احادیث مروی ہیں.

انسانی تاریخ کا سب سے لمبا سفر:

قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں، بلکہ جسمانی تھا، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر کوئی خواب نہیں تھا، بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ مختلف مراحل سے گزر کر اتنا بڑا سفر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے صرف رات کے ایک حصہ میں مکمل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جو اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لیے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے تو ارادہ کرنے پر چیز کا وجود ہو جاتا ہے۔ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم، مبارک اور بے نظیر معجزہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دے کر اپنا مہمان بنانے کا وہ شرفِ عظیم عطا فرمایا، جو نہ کسی انسان کو کبھی حاصل ہوا ہے اور نہ کسی مقرَّب ترین فرشتے کو۔

واقعہ معراج کا مقصد:

واقعہ معراج کے مقاصد میں جو سب سے مختصر اور عظیم بات قرآن کریم کی سورہ بنی اسرائیل میں ذکر کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔ اس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عظیم الشان مقام ومرتبہ دینا ہے جو کسی بھی بشر حتیٰ کہ کسی مقرب ترین فرشتہ کو نہیں ملا ہے اور نہ ملے گا۔ نیز اس کے مقاصد میں اُمتِ مسلمہ کو یہ پیغام دینا ہے کہ نماز ایسا مہتم بالشان عمل اور عظیم عبادت ہے کہ اس کی فرضیت کا اعلان زمین پر نہیں، بلکہ ساتوں آسمانوں کے اوپر بلند واعلیٰ مقام پر معراج کی رات میں ہوا۔ نیز اس کا حکم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرضیتِ نماز کا تحفہ بذاتِ خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ نماز اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو مانگنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

واقعہ معراج کی مختصر تفصیل:

اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا گیا، پھر اُسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اُسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور پھر بجلی کی رفتار سے زیادہ تیز چلنے والی ایک سواری یعنی براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایا تھا، اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی۔ اس پر سوار کر کے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، پھر آسمانوں کی طرف لے جایا گیا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد ''البیت المعمور'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا، جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے اللہ کی عبادت کے لیے داخل ہوتے ہیں، جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے پتے اتنے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں۔ جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں: دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

نماز کی فرضیت:

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا تھا اور پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور نماز کی تخفیف کی درخواست کی۔ ہر مرتبہ پانچ نمازیں معاف کر دی گئیں، یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر بھی مزید تخفیف کی بات کہی، لیکن اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ تخفیف کا سوال کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور میں اللہ کے اس حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی: میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی ہے، یعنی میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں۔ غرضیکہ ادا کرنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی ہیں۔

معراج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انعام:

اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انعام دیئے گئے:

۱:......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے انسان کا رشتہ جوڑنے کا سب سے اہم ذریعہ یعنی نماز کی فرضیت کا تحفہ ملا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اُمت کی فکر اور اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے پانچ نمازوں کی ادائیگی پر پچاس نمازوں کا ثواب دیا جائے گا۔

۲:......سورۃ البقرہ کی آخری آیت ''آمَنَ الرَّسُولُ'' سے لے کر آخر تک عنایت فرمائی گئی۔

۳:......اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی معافی ممکن ہے، یعنی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہیں رہیں گے، بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا مل جائے گا، البتہ کافر اور مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

معراج میں دیدارِ الٰہی:

زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں؟ اور اگر رؤیت ہوئی تو وہ رؤیت بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی؟ البتہ ہمارے لیے اتنا مان لینا ان شاء اللہ! کافی ہے کہ یہ واقعہ برحق ہے، یہ واقعہ رات کے صرف ایک حصہ میں ہوا، نیز بیداری کی حالت میں ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک بڑا معجزہ ہے۔

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا:

رات کے صرف ایک حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس جانا، انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت میں وہاں نماز پڑھنا، پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا، انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات اور پھر اللہ جل شانہٗ کی دربار میں حاضری، جنت ودوزخ کو دیکھنا، مکہ مکرمہ تک واپس آنا اور واپسی پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہونا جو ملک شام سے واپس آرہا تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ فرمایا ہے۔ اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ: کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمانوں سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔ اس کے بعد جب قریشِ مکہ کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے احوال دریافت کیے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روشن فرما دیا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں تشریف فرما تھے۔ قریشِ

ملکہ سوال کرتے جارہے تھےاور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے جارہے تھے۔

سفرِ معراج کے بعض مشاہدات:

اس اہم وعظیم سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت ودوزخ کے مشاہدہ کے ساتھ مختلف گناہگاروں کے احوال بھی دکھائے گئے جن میں سے بعض گناہگاروں کے احوال اس جذبہ سے تحریر کررہاہوں کہ ان گناہوں سے ہم خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پرگزرا جن کے ناخن تانبے کے تھےاور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ: وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اوران کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (ابوداود)

سودخوروں کی بدحالی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر بھی گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں، ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے۔ میں نے کہا کہ: اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے، کچل جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہوجاتے تھے جیسے پہلے تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا، ختم نہیں ہورہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ: یہ لوگ نماز میں کاہلی کرنے والے ہیں۔ (انوار السراج فی ذکر الاسراء والمعراج، شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

زکاۃ نہ دینے والوں کی بدحالی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ وبیل کی طرح چرتے ہیں اور کانٹے دار وخبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھارہے ہیں، آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاۃ ادا نہیں کرتے ہیں۔ (انوارالسراج فی ذکرالاسراء والمعراج، شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے، مگر وہ زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں اور صبح تک اسی کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ عورتیں ہیں جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار شخص کے ساتھ رات گزارتی ہیں۔ (انوارالسراج فی ذکرالاسراء والمعراج، شیخ مفتی عاشق الٰہیؒ)

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

احادیث میں ''سدرۃ المنتہیٰ'' اور ''السدرۃ المنتہیٰ'' دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ''سدرۃ المنتہیٰ'' استعمال ہوا ہے۔ ''سدرۃ'' کے معنی بیر کے ہیں اور ''منتہیٰ'' کے معنی انتہا ہونے کی جگہ کے ہیں۔ اس درخت کا یہ نام رکھنے کی وجہ صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہی ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں، یعنی آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں، پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں، پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔

وضاحت

تاریخ کے اس بے مثال واقعہ کو بیان کرنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اس عظیم الشان واقعہ کی کسی حد تک تفصیلات سے واقف ہوں اور ہم اُن گناہوں سے بچیں جن کے ارتکاب کرنے والوں کا برا انجام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اُمت کو بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما اور دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی عطا فرما۔

☆......☆......☆

ووٹ کی شرعی حیثیت

مولانا قاضی محمد نسیم کلاچی

ووٹ امانت ہے اوراس کا صحیح استعمال اسلامی فریضہ ہے۔اس اسلامی ذمہ داری کو مفاد پرستی، سڑکوں، گلی کوچوں، کھمبوں، ٹرانسفارمروں اور آلو پیاز کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ملک پاکستان میں حالات دن بدن بدتر ہوتے جارہے ہیں۔انتخابات میں ووٹ استعمال کرتے وقت اس کو خالص دنیاوی معاملہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ووٹ امانت ہے اوراس کا صحیح استعمال دینی فریضہ ہے۔اگراہلِ وطن اس دینی امانت اوراسلامی فریضہ کی ادائیگی میں ہمیشہ کی طرح سُستی اور کاہلی برتتے رہے تو نہ ملک کا کوئی طبقہ محفوظ رہے گا اور نہ ہی کوئی مقام۔اگر ووٹ کا استعمال اسلامی فریضہ کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا رہا تو خدا نہ کرے یہ ملک ہی باقی نہ رہے گا۔ اہل وطن کی یہ روش جو ملک میں چل پڑی ہے، اگر یکسر تبدیل نہیں کی جائے گی تو ملک سے بدامنی، غربت وافلاس، بے روزگاری کا خاتمہ ناممکن ہوگا۔جس طرح الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتخابات کو صاف شفاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے تو ساتھ ساتھ امیدواروں کے صاف شفاف ہونے کی ذمہ داری کا احساس بھی پوری تندہی سے ادا کرے۔الیکشن کمیشن سے زیادہ ذمہ داری عوام ووٹروں کی ہے کہ وہ ووٹ کو امانت اوراسلامی ذمہ داری کے طور پر استعمال کریں۔اکثر وبیشتر کئی دہائیوں سے دیکھا جارہا ہے کہ انتخابات کے شروع ہوتے ہی غریب عوام جو مہنگائی، غربت، بے روزگاری کی ماری ہوئی ہے،اور مفاد پرست اشخاص اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے لیڈروں، پارٹیوں اوران کے دلالوں سے کچھ وصول کرنے کے لئے دوڑیں لگانے لگ جاتے ہیں۔نوکریوں کے حصول اور آلو پیاز کی فکر میں بے حسی، مفاد پرستی اورضمیر کی کمزوری بلکہ ضمیر فروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اور ملک کی بقاء کو داؤ پر لگاتے ہوئے اپنی عزت نفس اوراپنے بڑوں کے ناموس کو پس پشت ڈال کر یہ سوداگر چھوٹے بڑے بیوپاریوں کے دروازے کھٹکھٹانے لگ جاتے ہیں۔الیکشن کی اصل روح اور اصل مقصد کسی کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ ہر ایک امیدوار نے بھی اور ووٹروں نے بھی اپنے مفاد کو سب کچھ سمجھا ہوتا ہے۔ووٹ استعمال کرنے کا مقصد ایسے باکردار لوگوں کو منتخب کرنا ہوتا ہے جو ملک کے خیر خواہ ہوں، ملکی مفاد، ملک کی بقاء اور استحکام کا درد رکھنے والے ہوں اور نفاذِ شریعت ان کی اولین ترجیح ہو، نہ کہ ایسے آدمی کو منتخب کریں کہ جن کا نظریہ اور مشن صرف اور صرف اپنی تجوریاں بھرنا ہو، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ امیدوار خدا اور رسول ا کے دین کا باغی اور منکر بھی نہ ہو۔ووٹ کا استعمال ہم سنی مسلمان اپنا ووٹ اس

امیدوار کے حق میں استعمال کریں گے جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو، نشہ آور اشیاء کا عادی نہ ہو، جواری اور سود خور نہ ہو، وطن پاکستان کو جسے لاکھوں مسلمانوں نے جان، مال اور عزتوں کی قربانی دے کر اسلامی نظامِ حکومت، نظامِ معیشت، نظامِ عدالت کے لئے حاصل کیا تھا، اس کی مقنّنہ اور بااختیار اسمبلی میں غیر مسلم شریک نہ کیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ روسی نظام کا قائل امریکہ کی ریاستوں میں شامل نہیں کیا جاتا اور اسی طرح امریکی نظام کو ماننے والا روسی حکومت میں برداشت اور شامل نہیں کیا جاتا۔ اگر ان شرطوں کا کوئی امیدوار نہ ملے تو اس سے بہتر ہے کہ پھر ووٹ استعمال ہی نہ کیا جائے۔

ووٹ ایک شرعی شہادت اور ووٹ نمائندہ کے حق میں شہادت ہے۔ اور ہر ووٹر شہادت کا اہل نہیں ہوتا، شہادت کے لئے صرف بالغ ہونا کافی نہیں، بلکہ جھوٹ کا عادی نہ ہونا بھی ضروری ہے یا خوفِ خدا کی وجہ سے جس کی علامت کم از کم صوم وصلوٰۃ کی پابندی ہے، جیسے سطور بالا میں عرض کیا گیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن جلد دوم آیت ''اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا '' کے متعلق لکھا ہے: آیت کا نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ میں ہے، لیکن حکم عام ہے جس کی پابندی پوری امت کے لئے ضروری ہے۔ ''اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا ''، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو (اسی طرح ووٹ بھی ایک شہادت اور امانت ہے) جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے، اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچادے۔ حکومت کے مناصب (عہدے) جتنے بھی ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کیلئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کے اہل نہیں تو (اب فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔ اب ہر شخص یہ سوچ سمجھ کر ووٹ استعمال کرے کہ آیا میرا ووٹ ایسے شخص کے حق میں تو نہیں جا رہا جس کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آج جو پوری دنیا خصوصاً اسلامی ملک پاکستان میں فساد، بدامنی، دہشت گردی اور تخریب کاری کی آگ سلگ رہی ہے، یہ ہمارے غلط انتخاب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے لفظ ''امانات'' صیغہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو، بلکہ امانت کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں حکومتی عہدے بھی داخل ہیں۔ انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت ''مفتی محمد شفیع صاحب ؒ'' کے رسالے سے ضروری سمجھ کر تحریر کرتا ہوں۔ امیدواری کسی مجلس کی ممبری کے

انتخابات کیلئے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو، وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے:

ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے، جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے، یعنی قابلیت رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے، اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک و ملت کیلئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا، پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا۔ اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کیلئے کھڑا ہوتا ہے، اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے، اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال تک محدود تھی، کیونکہ بنصِ حدیث ہر شخص اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے، ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جوابدہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر کسی امیدوارِ ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں:

ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے، اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی۔ اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے، جو سخت کبیرہ گناہ اور وبالِ دنیا و آخرت ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے۔ جس حلقے میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔ اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع و خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے:

’’مَنۡ يَشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا‘‘۔

(النساء:۵۸) ترجمہ: ''جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے تو اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے''۔

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرلے۔اور بری سفارش یہ ہے کہ نا اہل، نالائق، فاسق اور ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلط کرلے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پانچ سالہ دور میں جو نیک یا بدعمل کرے گا، ہم اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹر کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی (ذاتی) حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا اور اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا، تو پھر بھی معاملہ ہلکا تھا، مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جس میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لئے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کیلئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کے گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ا:... ایک شہادت۔۲:... دوسرے سفارش۔۳:... تیسرے حقوقِ مشترکہ میں وکالت۔تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثوابِ عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ! قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں، ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک، صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ کس کماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے! اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو، اُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی حرام اور پوری قوم وملت پر ظلم کے مترادف ہے۔

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنیٰ میں قابل اور دیانتدار نہ ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز، بلکہ مستحسن ہے۔

مختصر یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے،جس کا چھپانا بھی حرام ہےاوراس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اوراس پرکوئی معاوضہ لینا بھی حرام،اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔آپ جس امیدوارکوووٹ دیتے ہیں،شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم وعمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے۔جس مقصد کے لئے یہ انتخابات ہورہے ہیں،اس کی حقیقت کوسامنے رکھیں اوراس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

ا:......آپ کے ووٹ اورشہادت کے ذریعے جونمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا،وہ اس سلسلہ میں جتنے اچھے یا بُرے اقدامات کرے گا،اُن کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی،آپ بھی اُس کے ثواب یا عذاب میں برابر شریک ہوں گے۔

۲:......اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اثر شخصی اورمحدود ہوتا ہے،لیکن قومی اورملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔

۳:...... سچی شہادت کاچُھپانا از روئے قرآن حرام ہے،اس لئے کسی حلقہ انتخاب میں اگرکوئی صحیح نظریہ کا حامل اوردیانت دارنمائندہ کھڑا ہےتواس کوووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴:......جوامیدوارنظریہ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے،اس کوووٹ دیناایک جھوٹی شہادت ہے، جوگناہ کبیرہ ہے۔

۵:......ووٹ کوپیسوں کے معاوضے میں دینابدترین قسم کی رشوت ہےاور چندٹکوں کی خاطراسلام اورملک سے بغاوت ہے۔دوسروں کی دُنیا سنوارنے کیلئے اپنا دین قربان کردینا کتنے ہی مال ودولت کے بدلے میں ہو،کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔رسول پاک انے فرمایا ہے کہ:''وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جودوسرے کی دنیا کے لئے اپنادین کھوبیٹھے''۔

فرمایا......ہماری جماعت جوعلماء وطلباء کی جماعت کہلاتی ہے،اس کے لیےاس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ نظافت کی طرف متوجہ ہوں۔جہاں تک دیکھا جاتا ہےان لوگوں کواس کا ذرا خیال نہیں۔بعض لوگ تکلف کے خوگرتو ہوتے ہیں لیکن صفائی ان میں بالکل نہیں ہوتی۔صاحبو! کپڑے میں کلف اوراستری کی ضرورت نہیں۔ضرورت صرف اس کی ہے کہ میلا نہ ہو،پسینہ کی بدبو نہ ہو کیونکہ بدبو سے دوسروں کو بے حد تکلیف ہوتی ہے؛خصوصا اساتذہ کو۔ اورآپ لوگوں نے حدیث میں پڑھا ہے:المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اورزبان دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

درجہ سابعہ میں داخلِ نصاب کتاب

''تیسیر مصطلح الحدیث'' کا تعارف اور چند قابلِ توجہ پہلو

مفتی محمد صدیق ابوالحاج مظفری

مئولف کا تعارف:

اُصولِ حدیث کے موضوع پر عربی زبان میں عالمِ عرب کے مشہور حنفی عالم ڈاکٹر محمود طحان (متوفی ۱۴۴۴ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''تیسیر مصطلح الحدیث'' بہت مشہور اور علمی حلقوں میں مقبول ہے، ڈاکٹر صاحب کا نام محمود، کنیت ابوحفص، والد کا نام احمد اور دادا کا نام محمود ہے، آپ شام کے رہائشی تھے اور آپ کی ولادت سن ۱۹۳۵ء میں حلب (شام) میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، آپ نے سن ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ماسٹر کیا اور سن ۱۹۷۱ء میں آپ نے جامعۃ الازہر (مصر) سے پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کی۔

تدریسی زندگی کے آغاز میں کچھ عرصہ تک آپ شام میں پڑھاتے رہے، اس کے بعد چند سالوں کے لیے آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مدرس مقرر ہوگئے، پھر آپ نے سات سال تک جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ (ریاض) میں علمِ تفسیر اور علمِ حدیث میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی اور اسی دوران سن ۱۹۷۷ء میں آپ نے علمِ حدیث کے طلبہ کی سہولت کی خاطر اپنی مشہور کتاب "تیسیر مصطلح الحدیث" تصنیف فرمائی ہے۔

سن ۱۹۸۲ء میں آپ جامعۃ الکویت (کویت) میں "قسم التفسیر اور قسم الحدیث" کے مدرس مقرر ہوئے اور وہاں پر آپ نے تئیس (۲۳) سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں، اس کے بعد سن ۲۰۰۵ء میں آپ اپنے وطن حلب واپس لوٹ گئے اور آخر دم تک تصنیف وتالیف کے میدان میں مصروفِ خدمت رہے، گزشتہ سال ۲۴/نومبر ۲۰۲۲ء بمطابق ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ بروز جمعرات کو مختصر سی علالت کے بعد ملکِ شام میں آپ کی وفات ہوئی اور عیسوی اعتبار سے آپ نے کل (۸۷) برس عمر پائی۔

تیسیر مصطلح الحدیث کے علاوہ آپ کے مزید مشہور علمی کام یہ ہیں:

- ......"أصول التخريج ودراسة الأسانيد".
- ......" الحافظ الخطيب البغداديُّ وأثره في علوم الحديث".

•......"حجية السنة ودحض الشبهات التي تثار حولها".

•......"عناية المحدثين بمتن الحديث كعنايتهم بالأسانيد".

•......"مفهوم التجديد بين السنة النبوية وبين أدعياء التجديد المعاصرين".

•......"معجم المصطلحات الحديثية".

•......تحقيق "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" للخطيب البغدادي رحمه الله تعالى.

•......تحقيق "المعجم الأوسط" للطبراني رحمه اللّٰه تعالى.

تیسیر مصطلح الحدیث کا تعارف:

ڈاکٹر محمود طحان رحمہ اللہ کی یہ کتاب ''تیسیر مصطلح الحدیث'' عصر حاضر میں قبولِ عام حاصل کرنیوالی کتابوں میں سرفہرست ہے اور یہ بہت سی خصوصیات کی حامل ہے، جن میں سے اہم خصوصیات یہ ہیں:

•......اس کی عربی بہت ہی آسان اور عام فہم ہے۔

•......اس کا اندازِ تعبیر بہت زیادہ سہل ہے اور اس کا اسلوبِ بیان بہت عمدہ ہے۔

•......اس میں اُصولِ حدیث کے بہت سے اہم مباحث کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔

•......اصطلاحات کو ذکر کرنے کے بعد ذخیرۂ احادیث سے کسی حد تک اُن کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

•......ہر بحث کے تحت لغوی و اصطلاحی تعریف، حکم اور مثال وغیرہ کو بہترین عنوان سازی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

•......ہر بحث کے آخر میں موضوع کے مناسب کتب کی طرف بھرپور رہنمائی کی گئی ہے۔

انہی خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب بہت سے مدارس و جامعات میں داخلِ نصاب ہے، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بنات کے نصاب میں یہ کتاب پہلے سے ہی شامل تھی اور اب آئندہ سال سے اسے بنین کے نصاب میں بھی شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

کتاب کی ترتیب:

تیسیر مصطلح الحدیث کا زیادہ تر مواد حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "معرفة أنواع علم الحديث" اور اس کی بنیاد پر لکھی جانے والی بعض دیگر کتبِ فن سے ماخوذ ہے، اس کی تعبیرات اور اس کا اُسلوبِ بیان حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر'' سے قدرے ملتا جُلتا ہے اور مواد کی ترتیب کے اعتبار سے یہ بدرالدین ابن جماعہ

(متوفی ۷۳۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "المنهل الروي" کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

یہ کتاب مقدمہ علمیہ کے علاوہ چار ابواب اور متعدد فصول پر مشتمل ہے، جن کی ترتیب اس طرح ہے:

مقدمه علميه: اس میں مصنف رحمہ اللہ نے علم مصطلح الحدیث کے مختصر تاریخی پسِ منظر، مشہور تصنیفات اور حدیث و اُصولِ حدیث کی ابتدائی تعریفات کو بیان فرمایا ہے۔

الباب الأول: یہ باب خبر سے متعلق ہے اور اس کی تین فصلیں ہیں:

فصلِ اول: اس فصل میں خبر کو ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے متواتر اور خبر واحد کی طرف تقسیم کیا گیا ہے اور ان میں سے خبر متواتر کے تفصیلی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

فصلِ دوم: یہ پوری کتاب میں سب سے طویل فصل ہے، بلکہ یہ تقریباً نصف کتاب کو محیط ہے، اس میں اولاً خبر واحد کو تعددِ طرق کے اعتبار سے خبر مشہور، عزیز اور غریب کی طرف تقسیم کیا گیا ہے، اس کے بعد مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے خبر واحد کی دوسری تقسیم ذکر کی گئی ہے، پھر خبر مقبول کی مشہور چار قسموں (صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ اور حسن لغیرہ) کی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور خبر مقبول کے معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس میں تعارضِ خبرین کی بحث بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے۔

اس فصل کے آخر میں خبر مردود کی اقسام کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن میں حدیثِ مرسل، معلق، معضل، منقطع، مدلَّس، مرسلِ خفی، حدیثِ موضوع، منکر و معروف، شاذ و محفوظ، معلل، مدرج، مقلوب، مضطرب، مصحَّف، حدیثِ ضعیف اور المزید فی متصل الاسانید وغیرہ شامل ہیں۔

فصلِ سوم: اس میں خبر کو اپنے منتہی کے اعتبار سے چار قسموں (حدیثِ قدسی، حدیثِ مرفوع، موقوف اور مقطوع) کی طرف تقسیم کیا گیا ہے اور خبر واحد کی اُن انواع کو بیان کیا گیا ہے، جو اپنے مختلف احوال کے اعتبار سے مقبول اور مردود ہونے میں مشترک ہیں، ان میں مسند، متصل، زیادۃ الثقہ اور شاہد و متابع وغیرہ شامل ہیں۔

الباب الثاني: دوسرا باب جرح و تعدیل اور راویانِ حدیث کے اُن اوصاف کے بیان میں ہے، جن کی وجہ سے رُوات کی احادیث قبول بھی کی جاتی ہیں اور رد بھی کر دی جاتی ہیں، اس باب کی بھی کل تین فصلیں ہیں:

فصلِ اول: اس فصل میں راویٔ حدیث کے مختلف اوصاف اور اہلیتِ روایت کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے اور جرح و تعدیل کی بعض نادر صورتوں کے احکام تحریر کیے گئے ہیں۔

فصلِ دوم: اس میں کتبِ جرح وتعدیل کی انواع واقسام کو ذکر کیا گیا ہے اور اُن میں سے چند اہم کتب کے نام درج کیے گئے ہیں۔

فصلِ سوم: اس میں الفاظِ جرح وتعدیل کے مختلف مراتب اور اُن کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

الباب الثالث: تیسرا باب حصول حدیث کے ابتدائی مراحل اور آدابِ روایت کے بیان میں ہے اور اس کی دو فصلیں ہیں:

فصلِ اول: اس فصل میں تحملِ حدیث اور اداءِ حدیث (حدیث کا علم حاصل کرنے اور اسے آگے پہنچانے) کے مختلف طرق، ضبط وکتابتِ حدیث کی مختلف صورتوں اور تصانیفِ حدیثیہ کی انواع واقسام کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

فصلِ دوم: اس فصل میں صرف حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے آداب کو بیان کیا گیا ہے۔

الباب الرابع: چوتھا باب سندِ حدیث اور اس کے احکام کے بارے میں ہے اور اس کی بھی دو فصلیں ہیں:

فصلِ اول: اس میں سند سے متعلق علمِ حدیث کی چند مخصوص انواع کو بیان کیا گیا ہے، جن میں عالي ونازل، سابق ولاحق، رواية الأكابر عن الأصاغر، رواية الآباء عن الأبناء، رواية الأبناء عن الآباء، رواية الأقران، مدبج اور مسلسل شامل ہیں۔

فصلِ دوم: اس فصل میں راویانِ حدیث کے تعارف اور شناخت سے متعلق علمِ حدیث کی اکیس (۲۱) انواع کو بیان کیا گیا ہے، جن میں معرفة الصحابة، معرفة التابعين، معرفة الإخوة والأخَوات، متفق ومفترق، مؤتلف ومختلف، متشابه، مبهمات، وحدان، مفردات، أسماء، كُنىٰ، القاب، معرفة المنسوبين إلى غير آبائهم، معرفة النِّسَب التي على خلاف ظاهرها، معرفة المَوالي اور معرفة أوطان الرواة وغیرہ جیسے مباحث شامل ہیں۔

کتاب کی ترتیب پر ایک نظر:

فن کی دوسری کُتب کی طرح "تیسیر مصطلح الحدیث" میں بھی علمِ اُصولِ حدیث کی انواع واقسام کو فن کی طبعی ترتیب اور فطری انداز سے ہٹ کر بیان کیا گیا ہے، مثلاً علمِ حدیث کے حصول کے مختلف طرق اور آدابِ روایت جیسے ابتدائی مباحث کو تیسرے باب میں بیان کیا گیا ہے اور پہلے دو ابواب میں علمِ حدیث کی ایسی انواع ذکر کی گئی ہیں، جن سے مبتدی طالبِ حدیث کا تعلق بہت بعد میں قائم ہوتا ہے، اسی

طرح سندِ حدیث کے خاص مباحث اور رُوات کی تعیین وشناخت سے متعلق انواع کو سب سے آخر میں بطورِ لاحقہ ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ طالبِ حدیث کا سب سے پہلے واسطہ ہی سندِ حدیث سے پڑتا ہے، اس کے بعد متنِ حدیث اور اس کے علوم کی طرف پیش رفت ہوتی ہے۔

اسی طرح رُواتِ حدیث کی عدالت اور ضبط کی بنیاد پر وجود میں آنے والی حدیثِ مقبول اور غیر مقبول کی انواع واقسام کی تفصیلات پہلے باب میں بیان کی گئی ہیں اور خود عدالت وضبط کے معنی ومفہوم اور اقسام وشرائط وغیرہ کو دوسرے باب میں ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح کسی بھی راویٔ حدیث کے مجروح اور متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے وجود میں آنے والی انواعِ اُصولِ حدیث کو پہلے باب میں ذکر کیا گیا ہے اور خود جرح وتعدیل کے معنی ومفہوم، شرائط وقیودات اور الفاظِ جرح وتعدیل کے مراتب واحکام کی تفصیلات دوسرے باب میں بیان کی گئی ہیں۔

کتاب میں ترتیب کے لحاظ سے ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے پہلو موجود ہیں کہ جو فن کی طبعی ترتیب کے خلاف ہیں اور یہ ایک اجتماعی کمزوی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے اور اس سلسلے میں منظّم انداز سے کوشش کرنا تعمیرِ فن کا اہم تقاضا ہے۔

باقی کتاب کے مواد پر نظر اور قابلِ توجہ پہلوؤں کی نشان دہی مستقل عنوان کے تحت آگے آئے گی۔ان شاء اللہ

اُصولِ حدیث کی فطری اور تدریجی ترتیب:

مبتدی طالب علم کو اُصولِ حدیث کے مباحث اس طرح بتدریج پڑھانے چاہییں کہ وہ "طالبِ حدیث سے محدث" تک کے سفر کو بآسانی سمجھ سکے، اُس کا ذہن سندِ حدیث کے اُصولوں سے الفاظِ حدیث سے متعلق مباحث کی طرف اور الفاظِ حدیث کے اُصولوں سے معنیٔ حدیث کے مباحث کی طرف بتدریج منتقل ہو اور وہ اُصولِ حدیث کے آپس کے تعلق اور ان میں سے موقوف اور موقوف علیہ کو پہچان کر ہر راویٔ حدیث اور اُس کی روایت کی فنی حیثیت کا اچھی طرح ادراک کر سکے۔

واضح رہے کہ حدیثِ رسول ﷺ ہمارے پاس رُواتِ سند کے واسطہ سے پہنچی ہے اور بغیر سند کے کوئی بھی حدیث معتبر نہیں ہوتی، اس وجہ سے فنِ حدیث میں سند کو متن کے جزوِ لازم کی طرح سمجھا جاتا ہے، گویا حدیث کے دو حصے ہیں: (۱) سند۔(۲) متن۔

حضراتِ محدثین عملی طور پر پہلے سندِ حدیث کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، اس کے بعد متن سے بحث کرتے

ہیں، بلکہ زیادہ تر اُن کی محنت کی جولان گاہ ہی سند ہوتی ہے، چنانچہ اُصولِ حدیث کی ایک سو(۱۰۰) کے قریب انواع میں سے تقریبًا ساٹھ فیصد (۶۰٪) انواع کا تعلق سند سے، پینتیس فیصد (۳۵٪) انواع کا تعلق متن سے اور پانچ فیصد (۵٪) انواع کا تعلق معنی حدیث سے ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اصطلاحات متن یعنی مرفوع، موقوف، مقطوع، متصل، معلق، مرسل، معضل، منقطع، صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ) کا قیام ہی سند (والی انواع) سے بحث پر موقوف ہوتا ہے اور یہ اصطلاحاتِ متن، سند کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔

گویا ان سب اصطلاحات اور القاباتِ متن کی بنیاد ہی سند ہوتی ہے، اس لیے علمِ حدیث کی چاشنی محسوس کرنے کے لیے متن سے پہلے سند کے مباحث کو سیکھنا اور اس میں عملی ممارست انتہائی ضروری ہے، مگر یہ بات ہمارے ہاں عام طور پر مفقود ہوتی ہے، جس کی وجہ سے دورۂ حدیث کرنے کے باوجود ہمارے فاضل میں علمِ حدیث کے حوالے سے وہ صلاحیت پیدا نہیں ہو پاتی کہ جو استعداد اور صلاحیت اس میں ہونی چاہیے تھی اور جو وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔

فطری ترتیب کے مطابق علمِ اُصولِ حدیث کے مباحث کا اجمالی نقشہ اس طرح ہوسکتا ہے:

•**المقدمة:**...... "نشأةُ علم مُصطَلح الحديث، وتاريخُ تدوينه، وأشهرُ المصنفات فيه"

•**الباب الأول:**...... " آدابُ الرواية، وكيفيةُ ضبطها، وطرقُ تحملها، وصيغُ أدائها"

•**الباب الثاني:**...... " الإسنادُ وما يتعلق بذلك من معرفة شخصية الرواة وسيرتهم الذاتية"

•**الباب الثالث:**...... " صفةُ من تُقبَل روايتُه ومن تُردُّ روايتُه، وما يتعلق بذلك من جرح الرواة وتعديلهم"

•**الباب الرابع:**...... " الخبرُ وأقسامُه من حيثُ عددُ طرقه، ومن حيثُ القبولُ والردُّ، ومن حيثُ الاتصالُ والانقطاعُ، وغيرُ ذلك مما طالَ فِهرِسُه"

تیسیر مصطلح الحدیث کی وجۂ تالیف:

ڈاکٹر محمود طحان رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے مقدمہ میں وجۂ تالیف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"چند سال قبل جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الشریعۃ میں مجھے "علم مصطلح الحدیث" کی تدریس سونپی گئی، تو اس سلسلے میں متقدمین اہلِ علم کی بعض کتب کو میں نے بطورِ نصاب درس کا حصہ بنایا، مگر درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر مجھے اس سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا: (۱) بعض کتب میں بہت زیادہ طوالت

تھی، جیسا کہ حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب (معرفة أنواع علم الحديث) میں ہے۔ (۲) بعض کتب میں بہت زیادہ اختصار تھا، جیسا کہ امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ کی کتاب (التقریب والتیسیر) میں ہے۔ (۳) متقدمین کی ان کتابوں کی بعض عبارات قدرے مشکل ہیں۔ (۴) ان کتب کے بعض مباحث میں استیعاب کی کمی ہے۔

چنانچہ اس وجہ سے میرے خیال میں آیا کہ اس فن میں آسان انداز سے کوئی ایسی جامع کتاب تصنیف کرنی چاہیے کہ جو طلبہ کے لیے فن کو آسان بنا دے اور اُن کو متقدمین اہلِ علم کی کتب کے قریب کر دے، اسی کے پیشِ نظر میں نے یہ کتاب (تیسیر مصطلح الحدیث) تصنیف کی ہے، جس میں ہر بحث کے ذیلی عنوانات کو بہترین عنوان سازی کے ساتھ نمبروار درج کیا گیا ہے اور ہر بحث کی مکمل تفصیلات کے ساتھ فن کے تمام مباحث کے استیعات کی کوشش کی گئی ہے۔

شروح وحواشی:

اس کتاب پر اُردو اور عربی میں مختلف شروح وحواشی لکھے گئے ہیں، چند مشہور اُردو تراجم اور شروح وحواشی درجِ ذیل ہیں:

(۱) اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا عبدالرشید تونسوی صاحب۔ (مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

(۲) التوضیح الیسیر اُردو شرح "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا حضرت کبیر صاحب۔ (مطبوعہ مکتبہ علی معاویہ، کراچی)

(۳) اُردو شرح "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا محمد آصف نسیم صاحب۔ (مطبوعہ دار الحمد، لاہور)

(۴) آسان اصطلاحاتِ حدیث اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی صابر محمود صاحب۔ (مطبوعہ دار الرشید، کراچی)

(۵) اصطلاحاتِ حدیث اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا مظفر حسین ندوی۔ (مطبوعہ معارفِ اسلامی، لاہور)

(۶) تسہیل اُصول الحدیث اُردو شرح "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی محبوب الرحمٰن صاحب۔ (مطبوعہ مکتبہ عمر فاروق، کراچی)

(۷) اصطلاحاتِ حدیث اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی محمد صدیق ہزاروی۔ (مطبوعہ مکتبہ اہل السنّت، لاہور)

(۸) خیر الجلیس ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مشہور غیر مقلد حافظ ناصر علی۔ (مطبوعہ دار المطالعہ، حضرو، اٹک)

(۹) اصطلاحاتِ حدیث اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا محمد سعد صدیقی۔ (مطبوعہ قائد اعظم لائبریری، لاہور)

(۱۰) تسہیل علومِ حدیث اُردو شرح "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی فیضان الرحمٰن کمال۔ (مطبوعہ المروۃ پبلیشرز، کراچی)

(۱۱) قواعد فی علوم الحدیث ترجمہ وتخریج وتعلیق "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی ارشاد الرحمٰن المعتصم۔ (مطبوعہ مکتبہ پیر باجوڑ)

(۱۲) علوم الحدیث ایک تعارف، ماخذہ "تیسیر مصطلح الحدیث"، ترجمہ واضافہ از محمد مبشر نذیر۔ (ناشر علوم اسلامیہ پروگرام)

(۱۳) اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا عمر فاروق سعیدی صاحب۔ (مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، لاہور)

(۱۴) تحفۃ اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا عبد الجلیل اثری۔ (مطبوعہ ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ)

(۱۵) اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از مولانا محمود احمد غضنفر صاحب۔ (مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

(۱۶) اُصولِ حدیث اُردو شرح "تیسیر مصطلح الحدیث" از مفتی محمد عامر صاحب۔ (مطبوعہ توصیف پبلی کیشنز)

(۱۷) آسان اصطلاحاتِ حدیث اُردو ترجمہ "تیسیر مصطلح الحدیث" از ڈاکٹر محمد ہاشم سعیدی۔ (مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ، ملتان)

ان میں سے اکثر کتب نظر سے گزری ہیں، بہت سے تو محض تراجم ہیں اور بعض کتابیں ہلکی پھلکی تشریحات پر مشتمل ہیں، جبکہ چند ایک کتابیں ایسی ہیں کہ جن میں متن کی معمول کی تشریح کے ساتھ حواشی میں فقہاءِ کرام کی آراء کو بھی بیان کیا گیا ہے، مگر متنِ کتاب میں در آنے والے تسامُحات کی طرف تقریباً ان میں سے کسی کی بھی توجہ نہیں ہوئی اور کسی نے ان کی تصحیح کا کام نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "تیسیر مصطلح الحدیث" پر اُردو زبان میں کسی ایسے ماہرِ فن کا کام ہی ہمارے علم میں نہیں ہے کہ جو فنی اعتبار سے کتاب کے صحیح وسقیم پہلوؤں سے اچھی طرح واقف ہوں اور دورانِ شرح اُنہوں نے فن کی تعمیر اور تسامُحات کی اصلاح کا کام کیا ہو.......!

تیسیر مصطلح الحدیث پر عربی زبان میں ہونیوالے درج ذیل کام اس وقت ہمارے سامنے ہیں:

(١) "المنهج الحديث في مصطلح الحديث" للشيخ الدكتور محمود الطحّان المتوفى ١٤٤٤ھ رحمه الله تعالى.

یہ "تیسیر مصطلح الحدیث" کا اختصار ہے، جو کہ خود مؤلفِ کتاب کی جانب سے لکھا گیا ہے اور یہ مکتبۃ المعارف ریاض (سعودیہ) سے مطبوع ہے۔

(٢) "إصلاح الاصطلاح" للشيخ أبى مُعاذ طارق بن عوض الله، یہ مکتبۃ التوعیۃ الاسلامیہ الجیزہ سے (٣٦٨) صفحات میں مطبوع ہے۔

(٣) "فتح المغيث في التعليق على تيسير مصطلح الحديث" للشيخ علي نايف الشحود، یہ (۴۷۳) صفحات پر مشتمل ہے۔

(٤) "التعليق الحثيث على تيسير مصطلح الحديث" للشيخ محمد نصر أبي جبل، یہ دار الأمّہ، بیروت سے مطبوع ہے۔

(٥) "التعليق على تيسير مصطلح الحديث" لأبي سفيان المنوفى المصري، اس کے ابتدائی ایک سو صفحات نظر سے گزرے ہیں۔

(٦) "تقريب تيسير مصطلح الحديث" للشيخ سالم سعود الهاجرى، یہ (۱۶۹) صفحات میں کتاب کے نقشہ جات پر مشتمل ہے۔

(٧) "مختصر تيسير مصطلح الحديث" للشيخ محمد أحمد العلى، یہ صرف (۳۱) صفحات پر مشتمل ہے۔

(٨) "تلخيص تيسير مصطلح الحديث"، از جامعۃ الملک عبد العزیز، المدینۃ المنورۃ، اس کی پی ڈی ایف جامعہ کی ویب سائٹ پر رکھی ہے۔

(٩) "تلخيص تيسير مصطلح الحديث"، از شیخ احمد بن سعید بن احمد، یہ صرف پہلے دو ابواب کی تلخیص ہے اور اس کی پی ڈی ایف دیکھی ہے۔

کتاب کے مواد پر ایک نظر:

اس کتاب کو مصادرِ فن کی مراجعت کے ساتھ بار بار پڑھنے اور طلبہ کے ساتھ مذاکرہ کرنے سے یہ بات سامنے

آئی ہے کہ جہاں یہ کتاب بہت ہی سہل اور کثیر الفائدہ ہے، وہاں اس کی بعض عبارات میں اجمال بھی ہے، جس کی توضیح کی ضرورت ہے، بعض اصطلاحات کی تعریفات قدرے ناقص رہ گئی ہیں، جن کی تکمیل کی ضرورت ہے اور بعض اصطلاحات میں ایسا محسوس ہوا ہے کہ ان کو بیان کرتے ہوئے مصنف رحمہ اللہ سے تسامح ہوگیا ہے، جن کی اصلاح کی ضرورت ہے، الغرض یہ کتاب بہت ہی جامع، سہل الوصول اور کثیر الفائدہ ہے، مگر اچھی طرح سمجھ کر اور اس کی ہر بحث کو پرکھ کر پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر محمود طحان رحمہ اللہ نے بعد میں اگرچہ اپنی اس کتاب کا " المنهج الحديث في مصطلح الحديث" کے نام سے اختصار بھی لکھا ہے، مگر اس میں بھی دو مقامات وضاحت طلب ہیں، جو اصل میں تھے۔

گزشتہ چند سالوں میں عاجز کی یہ ترتیب رہی کہ طلبہ کی معلومات کی درستگی کے لیے دورانِ درس "تیسیر مصطلح الحدیث" کے قابلِ توجہ پہلوؤں کی مثبت انداز سے نشان دہی کا باقاعدہ سلسلہ رہا اور اس دوران عاجز حسبِ معمول اپنے نسخہ میں ان ملاحظات اور تصحیحات کو باحوالہ قلم بند بھی کرتا رہا، اس طرح ایک بڑی تعداد میں ملاحظات فقیر کے پاس جمع ہوگئے۔

اب تک "تیسیر مصطلح الحدیث" کے بارے میں عاجز کا خیال یہی تھا کہ اس کتاب پر ابھی تک کوئی خاص کام نہیں ہوا اور تین چار کے علاوہ اس پر عربی واُردو میں کوئی شروح وحواشی نہیں لکھے گئے، مگر جب ان ملاحظات کی تبییض اور حتمی ترتیب کا کام شروع کیا اور ابتداء میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا مختصر تعارف لکھنے کی غرض سے ہلکی سی جستجو کی، تو اندازہ ہوا کہ "تیسیر مصطلح الحدیث" پر تقریباً دو درجن سے زائد اُردو اور عربی زبان میں شروح وحواشی لکھے گئے ہیں اور اس کے اُردو وفارسی تراجم کیے گئے ہیں۔

مگر ان تمام شروح وحواشی میں سے صرف "اصلاح الاصطلاح" مجموعی طور پر عمدہ کتاب ہے، عاجز کو گزشتہ تین سال سے "تیسیر مصطلح الحدیث" پر طلبہ کے حضور ملاحظات لکھوانے کے بعد حالیہ دنوں (جُمادی الاولی ۱۴۴۵ھ) میں پہلی بار "اصلاح الاصطلاح" پڑھنے کا موقع ملا ہے، اس سے پہلے اگرچہ یہ کتاب علم میں تھی، مگر قدرتی طور پر اسے پڑھنے کا ابھی تک اتفاق نہیں ہوا تھا، ماشاء اللہ یہ کتاب فن کی تعمیر اور "تیسیر مصطلح الحدیث" کے تسامُحات کی واقعی تصحیح اور باحوالہ اصلاح پر مشتمل ہے، البتہ! اس میں بعض جگہ بہت زیادہ تطویل ہے اور اس میں بعض ایسی آراء بھی درج ہیں کہ جنہیں صرف تجویز کے درجہ میں لیا جاسکتا ہے، یا اُن کو صرف مرتب کے خاص ذوق اور اُن کی منفرد رائے پر محمول کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ "تیسیر مصطلح الحدیث" کے بعض اہم مقامات کی تصحیح واصلاح کا کام ان سے چھوٹ بھی گیا ہے۔

چنانچہ اسی کے پیشِ نظر "چند قابلِ توجہ پہلو" کے عنوان سے ذیل کی یہ تحریر مرتب کی گئی ہے، جس میں بطورِ خاص اُن عبارات کو نقل کر کے توضیحی نوٹس لکھے گئے ہیں، جن میں بظاہر نقص رہ گیا ہے، یا جو عبارات عاجز کو سوءِ فہم سے متقدمین اہلِ علم کی تصریحات کے خلاف محسوس ہو رہی تھیں، اس تحریر کا واحد مقصد فن کی تعمیر اور معلومات کی درستی ہے، اس سے کسی کی ذات یا کتاب کا استخفاف اور تنقید مقصود نہیں، باقی یہ سب اس نظریے سے نہیں لکھا جا رہا کہ یہ حرفِ آخر ہے، بلکہ اس نیت سے کہ جو کچھ میری ناقص سمجھ میں آیا ہے، وہ درست ہے یا نہیں؟ اہلِ علم کے سامنے آ جائے اور دوسری طرف مبتدی طلبہ کی معلومات درست ہو جائیں۔

تیسر مصطلح الحدیث کے قابلِ توجہ پہلو

[۱-۲]

ڈاکٹر محمود طحان (متوفی ۱۴۴۴ھ) رحمہ اللہ "أشهر المصنفات فی علم المصطلح" کے عنوان کے تحت امامِ نووی (متوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ کی " التقريب والتيسير" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

" التـقـريـب والتيسيـر لـمـعـرفة سنن البشير النذير": صنَّفه محيي الدين يحيي ابن شرف النَّوَويُّ، المتوفى سنة٦٧٦ هـ، وكتـابه هذا اختصار لكتاب "علوم الحديث" لابن الصلاح، وهو كتاب جيد" ["تيسر مصطلح الحديث"، ص: ١١، ط: البشرىٰ، كراتشی]

قابلِ توجہ پہلو

اس عبارت میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

(۱)......امامِ نووی رحمہ اللہ کی کتاب "التـقـريـب والتيسير" کو حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب کا اختصار قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ براہِ راست کتابِ ابن الصلاح کا اختصار نہیں، بلکہ یہ امامِ نووی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب "إرشـاد طـلاب الـحـقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق" کا اختصار ہے اور یہ بات خود " التقريب والتيسير" کے مقدمہ میں بھی موجود ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وهذا كتابٌ اختصرتُه من كتاب "الإرشاد" (١) الذي..." (٢) .

(۲)......اس مقام پر اور اس کے علاوہ دیگر مختلف مقامات پر مصنف رحمہ اللہ نے حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کی کتاب کا نام "عـلـوم الـحـديـث" ذکر فرمایا ہے، جبکہ حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ کی کتاب کا درست نام "معـرفة أنـواع علم الحديث" ہے اور یہ نام خود اس کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ابن

الصلاح رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"منَّ اللهُ الكريمُ تبارك وتعالى عليَّ ...بكتاب "معرفة أنواع علم الحديث" (۳).

ملحوظه: یہ دونوں تسامُحات" مقدمة الطبعة الأولى" کے عنوان کے تحت بھی دو جگہ موجود ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمود طحان صاحب رحمہ اللہ" تيسير مصطلح الحديث" کے صفحہ نمبر (۵) اور (۷) کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"وكان المقرَّرُ تدريسَ كتاب "عُلوم الحديث" لابن الصلاح، ثم قرَّرَتِ الجامعةُ مختصرَه: كتاب "التقريب" للنَّوَوي (۵) ...وكان جلُّ اعتمادي في المادة العلمية على "عُلوم الحديث" لابن الصلاح، ومختصره "التقريب" للنَّوَوي، وشرحه "التدريب" للسُّيوطيِّ"(۷).

اسی طرح" أشهر المصنفات" میں آٹھویں نمبر کے تحت حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کی کتاب کا نام "علوم الحديث" نقل کیا گیا ہے، جو کہ درست نہیں، بلکہ درست نام وہی ہے، جو ہم نے اوپر باحوالہ ذکر کیا ہے۔

[۳-۴]

اسی طرح ڈاکٹر محمود طحان (۱۴۴۴ھ) رحمہ اللہ " أشهر المصنفات في علم المصطلح" کے عنوان کے تحت حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ کی" ألفية الحديث" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"نظم الدرر في علم الأثر": صنّفها زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي، المتوفى سنة ۷۰۶ھ، ومشهورة باسم "ألفية العراقي"، نظم فيها "علوم الحديث" لابن الصلاح، وزاد عليه، وهي جيدة غزيرة الفوائد، وعليها شروح متعددة...". ["تيسير مصطلح الحديث"، ص: ۱۱، ط: البشرىٰ، كراتشي]

قابلِ توجہ پہلو

اس عبارت میں کتاب ابن الصلاح کے نام کی تصحیح کے علاوہ مزید دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

(۱) اس عبارت میں "نظم الدرر في علم الأثر" کو حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا گیا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، بلکہ درست بات یہ ہے کہ یہ کتاب حافظ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، جس میں انہوں نے علم حدیث کے مباحث کو بہت ہی جامع انداز سے (۹۹۴) اشعار میں ڈھالا ہے اور اس پر خود انہیں نے "البحر الذي زخر" (۴) کے نام سے بہت عمدہ شرح بھی لکھی ہے، چنانچہ وہ اس

شرح کے مقدمہ تحریر فرماتے ہیں:

"فإنّي نظمتُ في علم الحديث ألفية سمّيتُها " نظم الدُّرر في علم الأثر"...وقد كنتُ أوَدُّ لو وضعتُ عليها شرحًا بسيطًا...وسمّيتُها: " قطرُ الدُّرر على نظم الدُّرر"، ثُمّ استقرّ الحالُ على تسميته: " البحر الذي زَخر في شرح ألفية الأثر" (٥).

حافظ عراقی رحمہ اللہ کے منظومہ کا درست نام:

یہ بات ٹھیک ہے کہ حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ کا بھی اس موضوع پر منظومہ ہے، مگر اس منظومہ کا نام "التبصرة والتذكرة" **ہے، جو کہ** " ألفية العراقي "**اور** " ألفية الحديث" **کے نام سے بھی مشہور ہے، اس منظومہ پر خود حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے شرح بھی لکھی ہے، جو کہ** " شرح التبصرة والتذكرة" **کے نام سے، مشہور و معروف ہے اور یہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان سے دو (۲) جلدوں میں شیخ ماہر یاسین فَحل کی عمدہ تحقیق سے مطبوع ہے۔**

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کی اس شرح پر پھر حافظ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (متوفی ۸۸۵ھ) رحمہ اللہ نے "النكت الوفيّة بما في شرح الألفية" **کے نام سے تحقیقی نکت لکھے ہیں اور اس میں انہوں نے باقاعدہ یہ تصریح فرمائی ہے کہ حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کے منظومہ کا نام** " التبصرة والتذكرة" **ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:**

" نظم الحافظ العراقي كتاب ابن الصلاح بألفيةٍ من الشعر، سمّاها: " التبصرة والتذكرة" (٦).

اسی طرح قاضی زین الدین زکریا انصاری (متوفی ۹۲۶ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فتح الباقي بشرح ألفية العراقي" **میں منظومہ عراقی کے اصل نام کے متعلق تحریر فرمایا ہے:**

" رجّحنا أن اسم نظم العراقي لألفيته: "التبصرة والتذكرة" (٧).

۲) مذکورہ عبارت میں " نظم الدرر" **نامی کتاب کی طرف** "صنفها"، " مشهورة"، "فيها"، "وهي"، "جيدة"، "غزيرة" **اور** "عليها" **کے الفاظ سے مؤنث کی ضمائر لوٹائی گئی ہیں، جو کہ درست نہیں؛ کیونکہ لفظِ** "نظم" **مذکر ہے اور ویسے بھی اس طرح کے اسماء** "كتاب" **کی تاویل میں ہوا کرتے ہیں۔**

حواشی و حوالہ جات:

۱) البتہ! یہ کتاب " إرشاد طلاب الحقائق" **حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کی کتاب** " معرفة أنوع علم

الحدیث" کا براہ راست اختصار ہے۔

۲) "التقریب والتیسیر" مع شرحه للحافظ السخاوي، ص: ۳۵، ط: مؤ سسة بینونة، أبو ظبي.

۳) " معرفة أنوع علم الحدیث"، ص: ۷٤، ت: ماهر یاسین الفحل، ط: دار الکتب العمیة، بیروت، لبنان.

٤) حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی یہ شرح مکتبۃ الغرباء سعودیہ سے چار جلدوں میں مطبوع ہے اور یہ صرف شروع کے (۱۱۸) اشعار کی شرح ہے۔

٥) " البحر الذي زَخر في شرح ألفیة الأثر" للسیوطي: ۲۲٤/۱، ت: أنیس الأندونوسي، ط: مکتبة الغرباء الأثریة، المدینة المنوّرة.

٦) "النکت الوفیّة بما في شرح الألفیة" للبقاعي: ٦/۱، ت: ماهر یاسین الفحل، ط: مکتبة الرُشد، الریاض، السعودیة.

۷) "فتح الباقي بشرح ألفیة العراقي" للشیخ زکریا الأنصاري: ۲۷/۱، ت: ماهر یاسین الفحل، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان۔

فقہ کی اہمیت:......فقہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ضرورت کا ادراک خود قرآن کریم نے کرتے ہوئے اس عظیم مقصد کے لئے ایک مستقل جماعت کی تشکیل کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفرمن کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون "اور مومنین کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل پڑھیں، ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تا کہ وہ (ادھر رہنے والے) دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب وہ (جہاد کے لئے جانے والے) ان کی طرف واپس لوٹ آئیں تو انہیں ڈرائیں تا کہ وہ بچتے رہیں"۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ دین کی دو بنیادی ضروریات ہیں، ایک غلبہ دین اور دوسری فہم دین، اور یہ طے شدہ امر ہے کہ غلبہ دین کا مدار فہم دین پر ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ نے تاکید فرمائی کہ ایک جماعت غلبہ دین کے سلسلہ میں جہاد کے لئے نکل پڑے اور دوسری فہم قرآن وسنت کے لئے اپنے مقام پر ہی رہے تا کہ دین کے دونوں شعبے جاری رہیں۔ (حضرت مولانا عاشق الہٰی بلندشہری رحمہ اللہ)

فلسطین احادیثِ طیبہ کی روشنی میں

جناب محمد اَسعد نعمانی

اقصیٰ کیا ہے؟ فلسطین کس سرزمین کا نام ہے؟ ان کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ خداوند قدوس اور ان کے برگزیدہ ہستیوں کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے؟ مسلمانوں کا اس سرزمین اور مسجد سے دینی وایمانی کیا رشتہ ہے؟ یہ اور اس جیسے بہت سے سوالات کا جواب، ایک تو یہ کہ ہمیں تاریخی کتابوں سے دیا جائے، لیکن اگر ہمیں ان ساری باتوں کا علم زبانِ نبوت سے حاصل ہو تو ایک مسلمان کے لیے یہ سب سے مستند ترین ماخذ ہوگا، جس سے فقط اس کو معلومات ہی نہیں، ایمان ویقین کی دولت بھی حاصل ہوگی۔ ذیل میں ہم اس سلسلے کی احادیث مبارکہ کا ایک مختصر انتخاب پیش کر رہے ہیں، عمومی نفع کے پیش نظر ہر حدیث کے بعد فائدہ کے عنوان سے کچھ ضروری وضاحتیں بھی شامل کردی گئی ہیں، جو کوئی مسلمان بھی ان احادیث طیبہ کا مطالعہ کرے گا، وہ فلسطین، القدس اور مسجد اقصیٰ کی محبت سے سرشار ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

مسلمانوں کا قبلہ اول:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف: ۴۴۹۲)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا بیت المقدس تقریباً ڈیڑھ سال تک مسلمانوں کا قبلہ رہا ہے، اگر صرف یہی بات ہوتی تب بھی یہی مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کے عظیم رشتے کو بتلانے کے لیے کافی تھی۔

روئے زمین پر تعمیر ہونے والی دوسری مسجد:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے پہلے روئے زمین پر کون سی مسجد بنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد الحرام۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں نے عرض کیا: اس کے بعد پھر کون سی مسجد؟ فرمایا کہ مسجد الاقصیٰ، میں نے عرض کیا، ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا فاصلہ رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال۔ پھر فرمایا اب جہاں بھی تجھ کو نماز کا وقت ہو جائے وہاں

نماز پڑھ لینا؛ کیوں کہ ان کی فضیلت تو ان میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوگی۔(بخاری شریف:۳۳۶۶)

بیت المقدس کے لیے سفر کرنا باعث فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لیے کجاوے نہ باندھے جائیں۔(یعنی سفر نہ کیا جائے) ایک مسجد الحرام، دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (مسجد نبوی) اور تیسری مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس۔(بخاری شریف:۱۱۸۸)

فائدہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین مساجد ایسی ہیں جن میں نماز پڑھنے اور اس کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ سفر کرکے وہاں جانا چاہیے (جیسا کہ دیگر احادیث میں بھی یہ مضمون آرہا ہے)، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے ایسا سفر کرنا جائز نہیں۔

مسجد اقصیٰ میں نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسجد حرام میں نماز کا ثواب، ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔(معجم کبیر للطبرانی، حدیث حسن)

فائدہ: مسجد اقصیٰ میں نماز کی فضیلت کے بارے میں بعض روایات میں اس سے مختلف تعداد مذکور ہے، جن میں شارحین حدیث نے تطبیق وتوجیہ بھی فرمائی ہے، بہرحال مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد روئے زمین پر سب سے زیادہ فضیلت مسجد اقصیٰ ہی میں نماز پڑھنے کی ہے۔

مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے جب بیت المقدس کی تعمیر فرمائی تو اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں، اللہ عزوجل سے مانگا کہ وہ لوگوں کے مقدمات کے ایسے فیصلے کریں جو اس کے فیصلے کے موافق ہوں، تو انہیں یہ چیز دے دی گئی، نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی سلطنت مانگی جو ان کے بعد کسی کو نہ ملی ہو، تو انہیں یہ بھی دے دی گئی، اور جس وقت وہ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جو کوئی اس مسجد میں صرف نماز کے لیے آئے تو اسے اس کے گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسے کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔(نسائی شریف:۶۹۴)

اگر مسجد اقصیٰ میں نماز نہ پڑھ سکو تو......

حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بیت المقدس کے سلسلے میں ہمیں کوئی حکم فرمایئے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو، اس زمانے میں ان شہروں میں لڑائی پھیلی ہوئی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم وہاں نہ جاسکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو تیل ہی بھیج دو کہ اس کی قندیلوں میں جلایا جا سکے، (جس سے مسجد اقصیٰ میں روشنی ہو) (ابوداؤد شریف: ۴۵۷)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسجد اقصی میں نماز نہ پڑھ سکے وہ مسجد اقصیٰ کے لیے کوئی چیز بھیج کر اس کی کچھ فضیلت پا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکے سے مسجد اقصیٰ کا مشاہدہ فرمانا:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے (معراج کے واقعہ کے سلسلے میں) مجھ کو جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو روشن کر دیا اور میں نے اسے براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھ کر قریش سے اس کے پتے اور نشانات بیان کرنا شروع کر دیے۔ (بخاری شریف: ۳۸۸۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیت المقدس کے پاس تدفین کی تمنا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ملک الموت کو بھیجا، جب ملک الموت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں طمانچہ مارا (کیونکہ وہ انسان کی صورت میں آیا تھا) ملک الموت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں واپس ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے ایک ایسے بندے کے پاس مجھے بھیجا جو موت کے لیے تیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوبارہ ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھیں، ان کے ہاتھ میں جتنے بال اس کے آجائیں ان میں سے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر انہیں دی جائے گی، (ملک الموت دوبارہ آئے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سنایا) موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے رب! پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر موت ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ پھر ابھی کیوں نہ آجائے۔ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بیت المقدس سے مجھے اتنا قریب کر دیا جائے کہ (جہاں ان کی قبر ہو وہاں سے) اگر کوئی پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچ سکے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو بیت المقدس میں، میں تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو

ریت کے سرخ ٹیلے سے نیچے راستے کے کنارے پر ہے۔عبدالرزاق بن ہمام نے بیان کیا کہ ہمیں معمر نے خبر دی، انہیں ہمام نے اوران کوابو ہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح بیان کیا۔(بخاری شریف:۳۴۰۷)

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا مسجد اقصیٰ کے قریب وفات اور تدفین کی تمنا کرنا، اس سر زمین کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے۔حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف مسجد اقصیٰ کے قریب ہے، نیز حضرت موسیٰ پر سچا ایمان سرزمین کے حق دار بھی مسلمان ہی ہیں۔

بیت المقدس کے آس پاس دشمن سے برسر پیکار جماعت

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ دین حق پر قائم اوراپنے دشمنوں پر غالب رہے گا، انہیں اپنی مخالفت کرنے والوں یاان کی مدد نہ کرنے والوں کی پرواہ نہیں ہوگی الا یہ کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے اور تا قیامت ایسی جماعت قائم رہے گی۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ کہاں ہوں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت المقدس میں اوراس کے آس پاس۔(مسند احمد:۲۱۲۹۰)

فائدہ:اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تا قیامت بیت المقدس کے آس پاس ایک حق کی علم بردار جماعت اپنے دشمن سے برسر پیکاراور کسی بھی اعتبار سے ان پر غالب ضرور رہے گی، اللہ کی یہ مقدس سرزمین مکمل طور پر دشمن کے ہاتھ میں چلا جائے اوران سے لڑنے والا کوئی نہ ہو، ایسا نہ ہوگا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

سرزمین فلسطین ارض محشر:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہمیں بیت المقدس کے متعلق کچھ بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حشرونشر(اٹھائے جانے اورجمع کئے جانے) کا علاقہ ہے(یعنی میدان محشر وہیں قائم ہوگا)، تم وہاں جا کراس میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہوں پرایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی میں وہاں جانے کی طاقت نہ ہو، وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اسے چاہیے کہ زیتون کا تیل بھیج دے جو وہاں چراغوں میں جلایا جائے، کیونکہ اس کی طرف ہدیہ بھیجنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے اس میں نماز پڑھی ہو۔(مسند احمد:۲۶۳۸۷)

☆......☆......☆

فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق

﴿مسئلہ فلسطین کی تفہیم کے لیے ایک راہنما مقالہ (حصہ اوّل)﴾

تحریر: ڈاکٹر محسن محمد صالح

اردو اِستفادہ: محمد زکریا خان

اسلام میں پانچ ایسی ٹھوس بنیادیں ہیں جن کی بدولت امت مسلمہ ایک متحدہ امت قرار پاتی ہے اور ان کے درمیان الفت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے: عقیدہ اسلام، شریعت مطہرہ، ثقافت، تصورِ امت اور دارالاسلام۔

''امت کا تصور'' ایک ایسا دائرہ ہے جس میں اسلام لانے والی ہر قوم، ہر وطن، نسل اور رنگ کا انسان اپنے اندر ایک وحدت کا شعور رکھتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے اس فرمان کے مصداق، کہ تمہاری مثال ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے کسی ایک عضو میں ٹیس اٹھتی ہے تو پورا جسم اس درد کو محسوس کرتا ہے۔ جب بھی کسی خطے سے کسی مظلوم مسلمان کی فریاد (وااِسلاماہ!) بلند ہوتی ہے تو یہ آواز پوری امت سنتی ہے خواہ کوئی مسلمان دنیا کے کسی دور دراز گوشے میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کو وحدت کے حوالہ سے اتنی عظیم الشان اور مقدس قدریں حاصل ہیں کہ وہ انکی بدولت ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے جو کوئی دوسری قوم ہزاروں سال میں بھی نہیں دے سکتی۔ جب امت اپنے اصولوں پر راسخ تھی تو اس امت نے محض اسی (80) برسوں میں دنیا کے ایک نہایت وسیع خطے پر وہ اثرات ڈال دیے تھے جو اس سے پہلے روما کی شہنشاہت آٹھ صدیوں میں نہ ڈال پائی تھی۔ پھر اسلامی فتوحات روما کی طرح استعماری عوامل کے زیر اثر بھی نہیں تھیں۔ حق یہ ہے کہ اسلامی قلمرو میں آنے والے خطے تاریخ میں پہلی بار آزادی سے روشناس ہوئے۔ اسلامی فتوحات غلامی سے آزادی کا پروانہ ہوا کرتی تھیں۔ البتہ جب مسلمانوں کی جانب سے لوگوں کو آزادی کی فضاؤں سے روشناس کرنے کی بجائے ان سے وہی سلوک کیا جانے لگا جو بادشاہ اپنی رعایا سے کرتے ہیں تو اعداء ان پر مسلط ہو گئے۔ دو صدیوں تک عالم افرنگ نے صلیبی جنگوں (489ھ۔690ھ) سے نہ صرف اسلامی پھیلاؤ میں رکاوٹ ڈال دی

بلکہ کچھ ہی عرصے بعد تاتاریوں نے مسلمانوں کی عظمت خاک میں ملادی۔ اسکے بعد مسلمانوں نے دوبارہ ہدایت کی راہ اختیار کی تو ایک مرتبہ پھر انہوں نے اتنی قوت (سلطنت ممالیک اور بعد ازاں سلطنت عثمانیہ) حاصل کرلی کہ جسکی وجہ سے صدیوں تک استعمار انکے خطوں میں داخل ہونے کی جراءت نہ کرسکا۔

جب مسلمان اپنے مقدس اصولوں پر مجتمع تھے تو نہ صرف وہ دس صدیوں تک دنیا کی سب سے بڑی قوت رہے بلکہ علم وترقی اور ثقافت میں بھی وہ دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیا کی تاریخ میں اگر 'فرسٹ ورلڈ' کی کوئی اصطلاح ہے تو وہ گزشتہ میلینم میں مسلمان تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جس میں یورپ جہالت اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

سقوط غرناطہ (اسپین) (1492ء) کے بعد مسلم خطوں پر مغربی استعمار کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد نپولین (1798ء) نے مسلمانوں کے مرکزی علاقوں پر حملہ کیا اور ایک کے بعد دوسرا خطہ استعمار کی جھولی میں گرتا چلا گیا۔ زوال کی انتہاء یہ ہوئی کہ 1924ء میں عثمانی خلافت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوگیا۔ کاش سقوط خلافت صرف سیاسی زوال ہوتا۔ مغربی استعمار نے نہ صرف سیاسی غلبہ حاصل کرلیا تھا بلکہ ان کے ہاں جو اجتماعیت کے گھٹیا اصول تھے، مانند وطن پرستی، قوم پرستی اور دوسری نسلوں سے نفرت وغیرہ، یہ سب زہر امت کے جسد میں گھول دیے گئے۔ مسلم امہ کی ذہنی ساخت تبدیل ہونے کے بعد وہ وحدت کے اصولوں سے ناآشنا ہوگئے اور ہر علاقہ، ہر خطہ اور ہر جغرافیائی اکائی صرف اپنی آزادی اور اپنے حقوق کی جنگ لڑنے لگی۔ اجتماعی شعور سے کوسوں دور اور گرد وپیش سے تغافل برتتے ہوئے۔

مسلمانوں کی وحدت تو پہلے ہی دوسرے اجنبی شعاروں کی وجہ سے پارہ پارہ تھی اس پر مستزاد استعمار نے مسلمانوں کے مرکز اور مقدس مقام میں صہیونی ریاست کا ناسور کھڑا کردیا۔ امت مسلمہ کی وحدت اور شعوری بیداری کے امکان کو ختم کرنے کے لئے عالم اسلام کے وسط میں صہیونی ریاست کا وجود استعمار کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ عرب اتحاد ہو یا عالم اسلام کا اتحاد ہو اس میں سب سے بڑی رکاوٹ اسرائیل ہے۔ جہاں تک استعماری ہتھکنڈوں کا تعلق ہے جن کے ذریعے استعمار نے وحدت امت کے تصور کی بجائے دوسرے 'ازم' عالم اسلام میں داخل کیے؛ تو مغرب کی یہ خدمت عالم اسلام میں سے چند سیاسی ضمیر فروش لوگوں نے کی ہے۔ جہاں تک باشعور مسلم عوام ہیں تو وہ اب بھی قومی، وطنی یا نسلی اکائیوں کو نہیں مانتے ہیں اور امت کے اجتماعی وجود کا تصور اپنے قلب وشعور میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ مسئلہ فلسطین (جہاں الم ناک ہے وہاں) اس مسئلے نے وحدت امت کے شعور کو بھی بیدار رکھا ہوا ہے۔ صہیونی عزائم

سے بھی عوام مسلمان اس لیے باخبر ہیں اور اسے ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہیں کیونکہ فلسطین میں صہیونی ریاست موجود ہے۔ فلسطین سے اہل اسلام کی تعلق داری محض اتنی نہیں کہ اس سرزمین کے باسی مسلمان ہیں اور اس پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ فلسطین میں القدس کا مقدس شہر ہے جہاں مسجد اقصیٰ ہے۔ یہ خطہ مسلمانوں کے مقدس مقامات میں مسجد حرام کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ مسئلہ فلسطین سے اہل اسلام کی وابستگی کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس خطے نے اور مسلمانوں کے عقیدے نے انہیں ایک جسم کی مانند کر دیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی طرف اگر سواریاں کھنچی چلی جاتی ہیں (تین مسجدوں کا قصد کر کے سفر کرنا ہمارے دین میں بہت بڑی نیکی کا کام ہے بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ قصد کر کے کسی عبادت گاہ کا رخ نہیں کیا جا سکتا؛ مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) تو ارض فلسطین پر یہودی قبضے کی وجہ سے مسلمانوں کا شعور ایک جیسا ہے یہاں تک کہ عوام مسلمان اپنے خطے اور علاقے کے مسائل سے بھی زیادہ اہمیت اس مسئلے کو دیتے ہیں۔

اس مقالے میں مسئلہ فلسطین کے بنیادی حقائق بہت عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا متن ہر عربی اور عجمی مسلمان کو ازبر ہو جانا چاہیے بلکہ دنیا کے ہر معتدل انسان کو اس کتابچے میں مذکور سچائیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر محسن محمد صالح کی یہ کاوش اگرچہ بنیادی طور پر فلسطین کے مسئلے کو بیان کرنے کیلئے لکھی گئی ہے لیکن صہیونی خطرہ صرف فلسطین کے خطے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ خطرہ پورے عالم اسلام کو ہے۔ یہودیوں کے نزدیک داؤد کی سلطنت (اسرائیل) فلسطین تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ مشرق و مغرب چہار سو دریائے فرات سے جنوب میں خط استواء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے مسلمان اس مسئلے کو سب سے زیادہ سنگین سمجھتے ہیں اور تمام دشمنوں سے بڑھ کر اس دشمن سے نبرد آزما ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد عمارہ)

مسئلہ فلسطین تاریخی حقائق کے تناظر میں ایک اسلامی تجزیہ

(۱) فلسطین کا حدود اربع: ملک شام کے جنوب مغربی علاقے کو فلسطین کہتے ہیں۔ فلسطین براعظم ایشیاء کے مغرب میں بحر ابیض متوسط (Mediterranian Sea) جس کا دوسرا نام بحیرہ روم رہا ہے، کے ساحل پر واقع ہے۔ فلسطین ایک طرف براعظم افریقہ اور ایشیا کے درمیان پل کا کام کرتا ہے تو دوسری طرف براعظم یورپ کے انتہائی قریب واقع ہے۔ فلسطین کے شمال میں لبنان ہے؛ مشرق میں اردن اور جنوب مغرب میں مصر واقع ہے۔

فلسطین کا موجودہ رقبہ 27 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔آب وہوا کے لحاظ سے یہ خطہ معتدل سمجھا جاتا ہے۔

(2) تہذیب وتمدن کا پہلا گہوارہ: فلسطین کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔جدید تحقیق کے مطابق گیارہ ہزار سال پہلے جہاں سب سے پہلے انسان نے زمین سے فصل اگائی اور جہاں پہلی مرتبہ انسان بستی بنا کر رہنے لگے وہ سرزمین فلسطین تھی۔دنیا کا قدیم ترین شہر'اریحا' اسی سرزمین میں تہذیب وتمدن کا اولین گہوارہ بنا تھا۔گزشتہ آٹھ ہزار سالوں سے یہ شہر آباد چلا آرہا ہے۔

(3) اس خطے کے فضائل: سرزمین فلسطین تمام مسلمانوں کیلئے ایک مقدس مقام ہے۔قرآن مجید میں واضح طور پر فلسطین کو مبارک سرزمین کہا گیا ہے۔یہیں پر مسجد اقصیٰ واقع ہے جو اہل اسلام کا پہلا قبلہ اور زمین پر مسجد حرام کے بعد دوسری مسجد ہے۔یہاں اس مسجد میں نماز پڑھنے کا درجہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد فضیلت رکھتا ہے۔یہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے تھے۔معراج کی منزل سے پہلے مکہ مکرمہ سے آپ ایک ہی رات میں یہاں وارد ہوئے تھے۔یہ بے شمار نبیوں کی دعوت کی بھی سرزمین ہے اوران کا مدفن بھی۔اسلامی تعلیمات کے مطابق اس سرزمین پر حشر ہوگا اور اسی سرزمین پر لوگ دوبارہ جلائے جائیں گے۔آخری معرکہ (مسیح بن مریم اور یہودیوں کے دجال) میں مسلمانوں کا پڑاؤ (دارالاسلام) یہیں ہوگا۔اس سرزمین کو یہ حیثیت بھی حاصل ہے کہ یہاں محض اللہ کی خوشنودی کیلئے مقیم ہونا دوسری جگہ جہاد کرنے کے مساوی فضیلت رکھتا ہے۔اس خطے میں ہمیشہ ایک ایسا گروہ ہوگا جو حق پر قائم رہیگا۔

(4) تورات وانجیل میں اس خطے کی عظمت: ارض فلسطین صرف مسلمانوں کے نزدیک ہی مقدس سرزمین نہیں ہے؛ یہود ونصاریٰ کی مذہبی تعلیمات کے لحاظ سے بھی یہ مقدس زمین ہے۔یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ تورات میں جس سرزمین کو ارض موعود کہا گیا ہے وہ یہی خطہ ہے۔یہودی اس زمین سے اپنا تاریخی رشتہ سمجھتے ہیں۔یہ سرزمین بنی اسرائیل کے انبیائ کا مدفن ہے۔یہودی مقدسات بھی یہاں موجود ہیں؛ قدس یا بیت المقدس میں بھی اور فلسطین کے دوسرے شہر الخلیل میں بھی۔

دوسری طرف عیسائی اس سرزمین کو عیسائیت کا گہوارہ سمجھتے ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت یہیں ہوئی تھی۔عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا میدان بھی یہی سرزمین تھی اور یہاں عیسائیوں کے اہم ترین مذہبی مراکز بیت المقدس، بیت اللحم اور ناصرہ کے شہر میں واقع ہیں۔

(5) بنی اسرائیل کے انبیاء کی بابت مسلمانوں کا عقیدہ: مسلمانوں کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام؛ سلیمان علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اور صالحین کے حقیقی اور جائز وارث ہیں۔ بلاشبہ بنی

اسرائیل کے انبیاء نے اللہ کی توحید قائم کرتے ہوئے یہاں ایک عرصے تک حکومت کی تھی۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کا دین دینِ توحید تھا جس کے اصلی وارث اب اہل اسلام ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کی وراثت دین کی وراثت ہے۔ توحید کا علم مسلمانوں نے اٹھا رکھا ہے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بنی اسرائیل ہدایت کا راستہ چھوڑ چکے ہیں۔ یہودی اپنی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے جس کی پاداش میں خدا کا غضب اور لعنت ان کی وراثت میں آئی ہے۔

(6) غیر مسلموں سے مسلمانوں کے اصول سیاست: مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد بار یہاں حکومت کی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی اصول وسعت نظری، درگزر کرنا، دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو انسانی برابری کے اصول پر جینے کا حق دینا۔ ان کے تمام حقوق ادا کرنا خصوصاً بیت المقدس میں مقیم غیر مسلموں سے تو حکومت اور بھی نرمی سے پیش آیا کرتی تھی (کیونکہ اسلامی عقیدے کی رُو سے یہ ارض مقدس ہے جہاں اللہ کو فساد نا پسند ہے) دوسری طرف یہاں جب بھی حکومت غیر مسلموں کے پاس آئی تو انہوں نے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کو ہرگز برداشت نہ کیا۔ انہیں ہر طرح کی اذیت پہنچاتے تھے اور جلد از جلد غیر مذہب کے پیروکاروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔

(7) ارض فلسطین کے اولین باشندے: علم تاریخ کی رو سے خطہ فلسطین کو جس قوم نے سب سے پہلے آباد کیا تھا وہ جزیرہ عرب سے نقل مکانی کرنے والے کنعانی تھے۔ یہ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ کنعانیوں نے یہاں اپنی ثقافت اور طرز زندگی کو رائج کیا۔ تاریخ کے اس دور میں یہ خطہ 'ارض کنعان' کہلاتا تھا۔ جہاں تک موجودہ فلسطینی آبادی کا تعلق ہے تو یہ نسل بھی کنعان کے سلسلے سے ہے یا پھر ان اقوام کے اختلاط سے ان کا تعلق ہے جو بحیرہ روم کے مشرقی علاقوں میں آباد تھے جنہیں اس وقت 'بلست' یا 'فلستی' کہا جاتا تھا یا پھر دوسرے عرب قبائل کے سلسلے سے جا کر ان کا نسب ملتا ہے جو ارض کنعان میں آباد ہو گئے تھے۔ سیاسی لحاظ سے فلسطین پر مختلف قوموں کی حکمرانی رہی ہے لیکن فلسطین کو بغیر کسی انقطاع کے آباد رکھنے والی ایک ہی قوم رہی ہے جو کہ خود فلسطینی ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد فلسطینیوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی اور وہاں کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان بھی عربی زبان بن گئی۔ 15 ہجری سے لے کر تادم تحریر فلسطین کی ایک ہی شناخت 'اسلام' رہی ہے اور تاریخ کے اس طویل ترین عرصے میں اسلام کے علاوہ ان کی اور کوئی شناخت نہیں رہی۔ اسلامی شناخت میں اس سے بھی فرق نہیں پڑا کہ وہاں کی اصل آبادی کا ایک حصہ یہودیوں کے جبر کی وجہ سے 1948ء میں دوسرے ممالک میں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

(8) صیہونیوں کا جھوٹا دعویٰ: یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ بھی تاریخ قدیم سے اس سرزمین کے آبادکار رہے ہیں، تاریخی حقائق اس دعوے کو جھٹلاتے ہیں۔ فلسطینی تو اس سرزمین کی آبادکاری میں گزشتہ پندرہ سو سال سے مصروف کار ہیں جبکہ اسرائیل کا جبری قیام تو آج کی بات ہے۔ یہ درست ہے کہ تاریخ کے ایک حصے میں بنو اسرائیل کو فلسطین کے بعض حصوں میں حکومت کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی فلسطین کے بعض حصوں میں نہ کہ پورے فلسطین میں۔ یہ کوئی چار سو سال کا عرصہ بنتا ہے؛ خاص طور پر 584 قبل مسیح سے لے کر 1000 قبل مسیح تک۔ اس کے بعد بنو اسرائیل ارض کنعان سے نقل پذیر ہوگئے۔ 1948ء تک انہیں اپنا 'آبائی وطن' یاد ہی نہ رہا!۔

دراصل فلسطین کے بعض حصوں میں بنو اسرائیل کی حکمرانی کی وہی حیثیت ہے جو اس سرزمین میں دوسرے نو واردوں کی حکمرانی کی ہے۔ فلسطین میں دوسرے خطوں کی اقوام آکر حکمرانی کر جایا کرتی رہی ہیں لیکن اس خطے کو جو قوم مسلسل آباد رکھے ہوئے ہے اور جو اسے اپنا وطن سمجھتی ہے وہ صرف ایک ہی قوم؛ فلسطینی رہی ہے۔ بنو اسرائیل کی فلسطین میں حکمرانی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جتنی دوسری غیر قوموں کی فلسطین پر حکمرانی۔ جیسے آشوری عہد یا فارس کی حکمرانی؛ مصر کے فراعنہ کی حکمرانی یا یونانیوں اور رومیوں کی فلسطین پر حکمرانی۔ ہر حاکم قوم کا اقتدار بالآخر زوال پزیر ہوا اور فلسطینیوں کا وطن جیسے پہلے اہل فلسطین کے پاس تھا انہیں کے پاس رہا۔

فلسطینی اپنی سرزمین چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔ وہ اپنے وطن میں ہی میں آباد رہے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ پھر کسی اور دین میں داخل نہ ہوئے۔ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ فلسطین میں اسلام کی حکمرانی کا عرصہ سب سے طویل بارہ صدیوں پر مشتمل رہا۔ فلسطین کی تاریخ میں صرف 90 برس کی قلیل مدت ایسی ہے جس میں عیسائیوں کو صلیبی جنگوں میں سے ایک معرکے میں فتح پانے پر حکمرانی کا موقع ملا۔

جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے تو وہ فلسطین میں عارضی قیام کے بعد ایسے تارک خطہ ہوئے کہ اٹھارہ سو سال تک انہیں یہاں کا خیال ہی نہیں آیا۔ سنہ 135 عیسوی تا بیسوی صدی کے طویل عرصے کے دوران میں فلسطین کی سرزمین یہودیوں کے وجود سے خالی رہی؛ سیاسی لحاظ سےبھی؛ ثقافتی لحاظ سے بھی؛ اور عمرانی لحاظ سے بھی۔ یہی نہیں یہودیوں کی مذہبی تعلیمات میں فلسطین کی طرف ان کا لوٹنا حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

یہودیوں کے معروف رائٹر آرتھر کوسٹلر نے جو معلومات جمع کی ہیں انکی رو سے 80 فیصد یہودی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ تاریخی لحاظ سے یہودیوں کا کوئی رشتہ ارض فلسطین سے نہیں بنتا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی بھی فلسطین سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہاں ہم معزز قارئین کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ یہودی مذہب کے ماننے والوں کی موجودہ اکثریت نسلی طور پر اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی نسل سے نہیں ہے بلکہ انہیں 'یہود خزر' کہا جاتا ہے۔ یہ نسل بنی

اسرائیل سے نہیں۔ 'یہود خزر' ترکی نسل کے تاتاری قبائل سے ہیں جن کا وطن قوقاز (کوکیشیا) کا شمالی علاقہ رہا ہے۔ اس نسل کے لوگ آٹھویں صدی عیسوی میں یہودی ہو گئے تھے۔اگر یہودی مذہب کے پیروکاروں کو کہیں لوٹنے اور اپنا وطن بنانے کا حق ہے تو وہ ارض فلسطین نہیں بلکہ روس کا جنوبی علاقہ ہے۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ان کا موسیٰ علیہ السلام کے وقت فلسطین سے تعلق ہو گیا تھا حقیقی لحاظ سے غیر ثابت شدہ دعویٰ ہے۔تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ بنو اسرائیل کی اکثریت نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین کی طرف (غزوے کے لئے) چلنے سے انکار کر دیا تھا۔بابل (عراق) میں جب انہیں نقل مکانی کرنا پڑی تو اس کے بعد جب فارس کی فلسطین پر عملداری قائم ہوئی تو فارس کے حکمران 'خورس' نے انہیں فلسطین جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن بیشتر یہود نے عراق رہنے کو ہی ترجیح دی اور واپس لوٹنے سے انکار کر دیا۔علاوہ ازیں، دنیا کی طویل تاریخ سے لے کر اب تک کبھی بھی ارض فلسطین میں یہودیوں کی آبادی کا تناسب باقی دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں کی کل آبادی کا 40 فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔

(9) صیہونیت کا آغاز: صہیونی تحریک جس نے اپنے لیے فلسطین میں قومی وطن کے وجود پر زور دیا۔اس تحریک کے برپا ہونے میں متعدد اسباب کارفرما رہے ہیں۔اس تحریک کا آغاز یورپ کے عیسائی ماحول میں ہوا خصوصاً جن دنوں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی تحریک زوروں پر تھی۔ یہ سولہویں صدی کا زمانہ تھا۔اسی طرح یورپ میں قوم پرستانہ تحریکیں اور وطن پرستانہ تحریکوں نے صہیونی تحریک کے پختہ ہونے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے خاص طور پر انیسویں صدی کی قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ تحریکیں۔

مشرقی یورپ میں صہیونیت کے فروغ میں خاص طور پر اس قضیے نے اہم کردار ادا کیا ہے جسے یہودیوں کی سیاسی اصطلاح میں 'مسئلہ یہود' (jewish question) کہا جاتا ہے۔اسی طرح روس میں یہودیوں کی نسل کشی نے بھی صہیونی تحریک کے برپا ہونے میں اہم کردار ادا کیا۔اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کا بڑھتا ہوا اثر ونفوذ اور دوسری طرف یہود دیوں میں 'تحریک تنویر' (Reform Judaism: یہودی عقائد میں ایسی لچک پیدا کرنا جو یورپ کے لیے قابل قبول ہو یعنی ایمانیات کو سماجی مسئلے سے زیادہ اہمیت نہ دینا) کی ناکامی بھی صیہونیت کے فروغ میں مددگار رہی ہے۔

(10) مغربی استعمار کی سازش: مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ متعدد اغراض کے لئے عالم اسلام کے بیچ میں یہودی ریاست کا قیام عمل میں لانا چاہتے تھے۔اس چھوٹی مگر خطرناک ریاست سے ایک طرف عالم اسلام کے دو بازو جدا ہو گئے ایک طرف افریقہ کے مسلم ممالک تھے تو دوسری طرف ایشیا کے مسلم ممالک اور ان کے بیچوں بیچ

صہیونی ریاست جوانہیں کاٹنے کیلئے بنائی گئی تھی۔صہیونی ریاست مسلم خطوں کی وحدت میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔اس سازش کی وجہ سے عالم اسلام میں متحدہ قوت کے ابھرنے اور ترقی کے امکانات کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دی گئی ہے۔مسلم ممالک صرف کنزیومر(صارفین) ہیں اور صہیونی ریاست مغربی مال کی مشرق میں فروخت کی گزرگاہ۔صہیونی ریاست کے ناسور کی وجہ سے عظیم اسلامی وحدت جنم نہیں لے پائی ہے جو اس ریاست کی غیر موجودگی میں قدرتی طور پر عثمانی خلافت کے سقوط کے خلا کو پر کر سکتی تھی۔اس میں شبہ نہیں کہ عظیم تر اسلامی وحدت میں رکاوٹ عالم اسلام کے بیچ میں صہیونی ریاست کا قائم رہنا ہے۔یہ جغرافیائی اور نظریاتی وحدت جس میں رکاوٹ صہیونی وجود ہے اُس وقت تک اپنے طبعی انضمام کو نہیں پہنچ سکتی جب تک صہیونی ریاست کو مٹا نہیں دیا جاتا۔

(11) صیہونیت کے مقاصد: صہیونی تحریک کی بنیاد اگست 1897ء میں سوئٹزر لینڈ میں تھیوڈور ہرتزل کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔تحریک کے بانی نے روز اول سے اس تحریک کو استعماری مقاصد کیلئے بنایا تھا جس کا مقصد مغربی ممالک کے اہداف پورے کرنا تھا۔تمام تر چالاکی کے باوجود یہ تحریک پہلی جنگ عظیم تک کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر پائی تھی۔صہیونی تحریک ایک نسل پرستانہ تحریک ہے جس کی رگوں میں مذہبی قومی عناصر پائے گئے ہیں۔اس تحریک کے پروان پانے کا انحصار اس اصول پر رکھا گیا ہے کہ فلسطین کے اصل باسیوں کے کتنے حقوق چھین کر نو واردوں کو دیے جا سکتے ہیں۔ایک دفعہ صہیونی تحریک کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد مذہبی یہودی اور سیکولر یہودی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔جب تک کوئی یہودی صہیونی تحریک کا رکن ہے وہ انہی مقاصد کی تکمیل میں اپنی صلاحیتیں کھپائے گا جس کیلئے صہیونی تحریک برپا کی گئی ہے۔

(12) فلسطین پر برطانوی انتداب: برطانیہ نے 1917ء میں اعلان بالفور کے اعلامیے کے ساتھ فلسطین میں صہیونی قومی ریاست کی بنیاد رکھی۔ستمبر 1918ء میں برطانیہ نے خطے پر قبضہ مکمل کرتے ہوئے فلسطینی اراضی کا ایک حصہ صیہونیوں کو دے دیا۔اس سے پہلے برطانیہ عرب شیوخ سے معاہدہ کر کے خطے میں داخل ہوا تھا کہ وہ عرب ریاستوں کو مکمل آزادی اور خودمختاری دے گا۔یہ معاہدہ برطانیہ نے عربوں کے متحدہ نمائندے الشریف حسین سے کیا تھا۔مشرق وسطیٰ کے ایک بڑے حصے پر قبضے کے بعد برطانیہ نے کسی معاہدے کا پاس خیال نہ کیا اور عربوں کو کبھی آزادی اور خودمختاری حاصل نہ ہوسکی۔معاہدہ سائکس پیکو کے ذریعے مشرق وسطیٰ بشمول عراق اور وسیع تر شام فرانس اور برطانیہ کے اثر ونفوذ کے درمیان چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔1916ء میں سائکس پیکو (Sykes Picot Agreement) معاہدے کے تحت فلسطین کو بین الاقوامی خطہ قرار دیا گیا۔پھر اس کے بعد دوسرے معاہدے سان ریموکانفرنس؛ San Remo (اپریل 1920) کے تحت فلسطین پر بین الاقوامی خطے کی بجائے

برطانیہ کے انتداب کے حق کو تسلیم کرلیا گیا جسے مئی 1922ء میں اقوام متحدہ نے بھی تسلیم کرلیا۔

(13) صیہونیت کے لیے برطانیہ کی خدمات: برطانیہ نے فلسطین پر اپنے انتداب کے دوران میں (1918ء۔1948ء) یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ یہودی آبادکاری میں اضافہ ان اعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1918ء میں فلسطین میں صرف (55000) پچپن ہزار یہودی تھے اور 1948ء میں نقل پزیر ہونے والے یہودیوں نے یہودی آبادی کو (646000) چھ لاکھ چھیالیس ہزار تک بڑھا دیا۔ یعنی پہلے یہودی کل آبادی کا آٹھ فیصد تھے اور اس کے بعد ان کی آبادی کا تناسب تھا 31.7 فیصد تھا۔ اسی طرح برطانیہ نے فلسطینی اراضی کی یہودیوں کو فروخت کے کئی طریقے نکال لیے۔ برطانیہ کے انتداب سے پہلے یہودی کل اراضی کے دو فیصد کے مالک تھے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد یہودی 6.7 فیصد اراضی کے مالک ہوگئے۔ یہ اراضی یا تو سرکار کی طرف سے الاٹ ہوئی یا پھر فلسطین میں موجود غیر فلسطینیوں نے یہ اراضی فروخت کی تھی۔ زمین کی خریداری پر یہودیوں کی طرف سے پرکشش قیمت پر بھی غریب فلسطینی اپنی اراضی نہ بیچتے تھے۔ تیس سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود فلسطین کے اصل باشندے 93.3 فیصد اراضی کے مالک تھے اور فلسطینی آبادی کا تناسب 68.3 فیصد تھا۔

برطانیہ نے نو واردوں کیلئے متعدد اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی اور عسکری پراجیکٹ بنائے۔ 1948ء تک برطانیہ کی طرف سے 292 یہودی خیمہ بستیاں تعمیر پا چکی تھیں۔ صیہونی ستر ہزار فوج کیل کانٹے سے لیس تھی اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل نے آزاد ملک ہونے کا اعلان کردیا۔

(14) تاریخ تحریک مزاحمت: بلاشبہ برطانیہ نے فلسطینیوں کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کی تھیں لیکن وہاں کے غیور مسلمانوں نے برطانیہ کے ناجائز قبضے کے خلاف مزاحمت جاری رکھی اور غلامی پر کبھی راضی نہ ہوئے۔ فلسطین میں برطانیہ سے آزادی پانے کی تحریکیں برابر چلتی رہیں۔ آزادی کی تحریک میں اسلامی جماعتیں بھی تھیں اور قوم پرست تحریکیں بھی۔ اسلامی قیادت کے بڑے ناموں میں موسیٰ کاظم اور الحاج امین حسینی کی شخصیات مشہور ومعروف ہیں جنہیں عوام کی بہت بڑی حمایت حاصل تھی۔ بیسوی صدی کی ابتداء میں برطانیہ کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں۔ ان بغاوتوں میں اہم ترین: 1920ء میں القدس کی بغاوت؛ 1931ء میں 'یافا' کی بغاوت؛ 1929ء میں البراق کی بغاوت اور اکتوبر 1932ء کی بغاوت۔ اسی طرح عزالدین قسام نے باضابطہ جہاد کا آغاز کیا۔ عبدالقادر حسینی نے 'مقدس جہاد' کے نام سے جہاد کا آغاز کیا۔ ان پے در پے بغاوتوں کی وجہ سے (1936ء تا 1939ء) جنہیں فلسطین کی جہادی تاریخ میں 'انقلاب عظیم' کہا جاتا ہے؛ برطانیہ اس بات پر مجبور ہوگیا کہ وائیٹ بک میں اس نے اگلے دس سالوں میں آزاد فلسطین کے قیام کی تحریر لکھ دی۔ تحریر میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ برطانیہ سرکار

معین رقبے سے زیادہ فلسطینی اراضی کو یہودیوں کے ہاتھ فروخت نہیں کرے گی۔اس کے علاوہ یہ بھی لکھا گیا کہ پانچ سالوں کے بعد فلسطین میں یہودیوں کی نقل مکانی غیر قانونی قرار دے دی جائے گی۔

اس تحریر کے بعد ہوا یہ کہ دنیا میں خاصی بڑی تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔برطانیہ کی بجائے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا اثر ونفوذ بڑھ گیا۔1945ء میں جب وائیٹ بک میں ثبت کی گئی تحریر کی تکمیل ہونا تھی تو امریکہ نے ایسا نہیں ہونے دیا بلکہ فلسطینی اراضی کی فروخت کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی فلسطین میں نقل مکانی اور بڑھ گئی۔

(15) فلسطین کی تقسیم: 1947ء میں اقوام متحدہ کے مشترکہ اجلاس میں قرارداد پاس کی گئی کہ فلسطین کو تقسیم کر کے دو ملک بنادیئے جائیں۔ایک عربی خطہ جو کل اراضی کا 45 فیصد ہو اور یہودی خطہ جو کل فلسطینی اراضی کا 54 فیصد ہو جبکہ قرارداد میں ایک فیصد رقبہ (قدس مبارک یا بیت المقدس) بین الاقوامی عملداری کے سپرد کرنے کی سفارش کی گئی۔

یہاں یہ بات قارئین کیلئے جان لینا ضروری ہے کہ اقوام متحدہ کے مشترکہ اجلاس میں اگر کوئی قرارداد پاس کی جائے تو اقوام متحدہ کے میثاق کی رو سے ہی اس کی قانونی حیثیت اس معنی میں نہیں ہوتی کہ رکن ممالک ایسی قرارداد پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہوں گے۔علاوہ اس کے تقسیم فلسطین کی مجوزہ قرارداد بذات خود اقوام متحدہ کے میثاق کے مخالف ہے۔اقوام متحدہ کے میثاق میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر خطے کے عوام کو مکمل آزادی ہوگی اور یہ کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کے حق دار ہوں گے۔مزید برآں اس قرارداد کی بابت نہ فلسطین کے عوام کو اعتماد میں لیا گیا اور نہ رائے شماری ہوئی۔اس قرارداد کے جانبدارانہ اور مبنی بر ظلم ہونے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ غیر ملکی یہودی جو اقلیت میں بھی تھے انہیں اصل باشندوں کی نسبت زیادہ حصہ دیا گیا۔

(16) صیہونی ریاست کا اعلان: 14 مئی 1948ء کی شام اسرائیل نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔اسرائیل نے جلد ہی عرب فوج کو شکست سے دوچار کر دیا۔پہلی عرب اسرائیل جنگ میں عرب فوج کی قیادت بدنظمی کا بدترین نمونہ پیش کر رہی تھی۔اس کے علاوہ عرب فوج مکمل طور پر آزاد بھی نہ تھی۔فوج کے ایک حصے پر استعمار کا شکنجہ کسا ہوا تھا۔جنگ کے بعد اسرائیل فلسطین کی 77 فیصد اراضی کا مالک تھا۔صہیونی ریاست نے اپنے قیام کے ساتھ ہی آٹھ لاکھ فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا۔ملک بدر ہونے والے فلسطینیوں کے علاقوں میں یہودی آباد کیے گئے۔1948ء میں فلسطینی آبادی چودہ لاکھ تھی۔جن علاقوں کو صہیونی ریاست نے فلسطینیوں سے خالی کرایا تھا وہاں نو لاکھ سے زیادہ آبادی تھی 478 گاؤں تباہ کر کے وہاں اسرائیلی بستیاں بسائی گئی تھیں۔یاد رہے کہ مقبوضہ علاقے میں کل 585 گاؤں تھے۔کم از کم 34 مرتبہ فلسطینیوں کا قتل عام ہوا۔باقی ماندہ فلسطینی اراضی کے ایک

بڑے حصے (5876 کلومیٹر) کو ایک معاہدے کے ذریعے اردن نے اپنے اندر سمو لیا اور غزہ کے ایک حصے (363 کلومیٹر) پر مصر کا اثر ونفوذ قائم ہو گیا۔ اقوام متحدہ نے اس شرط پر اسرائیل کو تسلیم کرلیا کہ وہ ملک بدر کیے جانے والے فلسطینیوں کو ملک واپس آنے کی اجازت دے گا۔ اس قرارداد پر آج تک عمل درآمد نہیں ہوا۔

(17) جمال عبدالناصر کی قیادت پر اعتماد: 1948 تا 1968ء مصر کے جمال عبدالناصر نے فلسطینیوں کیلئے دو تحریکوں کے نام سے اسرائیل کے خلاف ردعمل کا آغاز کیا۔ ایک کا عنوان تھا 'معرکہ قومیہ' اور دوسری تحریک کا عنوان تھا 'آزادی کا راستہ اتحاد'۔ فلسطین تنازع کے حل کے لیے عرب ریاستوں نے جمال عبدالناصر کی قیادت تسلیم کرلی دوسری طرف فلسطین کی اندرونی قوم پرست تحریکوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی مزاحمت ترک کردی کہ ان کے بارے میں عرب قیادتوں کو اختیار ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین کا حل نکالیں۔

حقیقت یہ تھی کہ عرب ریاستوں کے پاس مسئلے کے حل کیلئے کوئی متفقہ لائحہ عمل نہ تھا اور نہ ہی وہ اسرائیل کے خلاف جنگ کرنے میں سنجیدہ نظر آتے تھے۔ فلسطینی مزاحمت اکا دکا دیکھنے کو ملتی رہی لیکن کوئی ایسی اسکیم سامنے نہ آسکی جسے فلسطینی مزاحمت کا مکمل منصوبہ کہا جا سکے۔ صہیونیوں کے کسی نئے ظلم کے خلاف جذبات میں آ کر عوام مسلمان شدید ردعمل ظاہر کرتے رہے لیکن کچھ عرصے کے بعد اس کی شدت ختم ہو جاتی جبکہ صہیونی قوت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

(18) خودانحصاری کا رجحان: جمال عبدالناصر کے ذاتی اثر ورسوخ سے 1964ء میں احمد شقیری کی قیادت میں وطن پرست تحریک 'تحریک آزادی فلسطین' کی بنیاد رکھی گئی۔ جمال عبدالناصر محسوس کر رہے تھے کہ فلسطین میں زیر زمین آزادی کی تحریکیں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ فلسطینی تحریکیں کہیں خودمختار نہ ہو جائیں خاص طور پر تحریک 'الفتح' سے انہیں خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جمال عبدالناصر کی 'خدمات' سے آزاد ہو جائے گی اس لیے جمال عبدالناصر نے اپنی سرپرستی میں تحریک آزادی کی بنیاد رکھ دی۔

تحریک 'الفتح' 1957ء سے سرگرم عمل تھی۔ 1948ء سے پہلے والی حیثیت کو برقرار رکھنے کیلئے تحریک الفتح نے عہد کیا کہ فلسطین کی آزادی کا صرف ایک ہی طریقہ مسلح عمل ہے۔ خالص فلسطینی تحریک اور قیادت ہونے کی وجہ سے تحریک الفتح فلسطین کی سب سے زیادہ ہر دل عزیز تحریک بن گئی تھی۔ فروری 1969ء میں یاسر عرفات نے تحریک کی قیادت سنبھالی اور اس کے ساتھ فدائی تحریکیں اس تحریک میں شامل ہوتی گئیں۔ 1974ء میں عرب ریاستوں نے الفتح کو فلسطین کی واحد قانونی تحریک کے طور پر تسلیم کرلیا۔ اقوام متحدہ نے بھی اسی سال اس تنظیم کی اقوام متحدہ میں بطور فلسطینی عوام کی واحد نمائندہ تنظیم کے رکنیت تسلیم کرلی۔

(19) متحدہ عرب فوجوں کی شکست: 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اگلے چند ہی دنوں میں فلسطین کی باقی اراضی پر بھی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ مغربی کنارے کا مشرقی علاقہ جہاں القدس واقع ہے یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ غزہ کا ایک حصہ، سوریا میں واقع گولان کا پہاڑی سلسلہ اور مصر کا صحرائے سیناء بھی اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل نے مزید تین لاکھ تیس ہزار فلسطینی ملک بدر کر دیئے۔ (باقی آئندہ)

اجلاس برائے امورِ صوبہ وار جانچ پڑتال 1445ھ صوبہ بلوچستان

مولانا سید عبدالرحیم حسینی
ناظمِ تعلیمات جامعہ دارالعلوم چمن
رکنِ امتحانی کمیٹی وفاق المدارس

مورخہ ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۴۴۵ھ بمطابق ۳ جنوری ۲۰۲۴ء بروز بدھ کو جامعہ امدادیہ کوئٹہ میں اجلاس (برائے صوبہ وار جانچ پڑتال) منعقد ہوا، اجلاس میں راقم الحروف (معاونِ خصوصی صوبائی ناظم بلوچستان اور رکنِ امتحانی کمیٹی)، حضرت مولانا عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم (رکنِ مجلس عاملہ وعلاقائی معاون ناظم) اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم (رکنِ مجلس عاملہ) نے شرکت فرمائی۔

اجلاس کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، اجلاس میں آنے والے امتحانات میں پرچوں کی مارکنگ کے حوالے سے ممتحنین حضرات کے تقرّر پر بات ہوئی، چنانچہ صوبہ بلوچستان میں ۱۲ ممتحنین اعلیٰ حضرات کا تقرّر طے پایا، جبکہ ۴۰۰ کے لگ بھگ ممتحن حضرات کا تقرر کیا گیا، البتہ مزید ممتحنین کی بھی ایک فہرست تیار کی گئی ہے جو بوقتِ ضرورت کام آسکتی ہے۔ نیز مولانا حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم (مسئولِ ضلع کوئٹہ) کے ہمراہ مارکنگ کے عمل کے لئے منتخب شدہ ایک ہال کا بھی دورہ کیا گیا جس کو اراکینِ وفاق نے مناسب سمجھا۔ (واضح رہے کہ قیامِ ممتحنین اور جانچ پڑتال کی جگہ الگ الگ تھی) آخر میں حضرت مولانا مولا بخش صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (سابق مسئولِ ضلع مستونگ) اور دیگر رفتگانِ آخرت کے لئے دعائے مغفرت اور تمام بیماروں خصوصاً سرپرستِ وفاق المدارس حضرت مولانا عبدالستار صاحب اور مولانا قاری نورالدین صاحب (مہتمم جامعہ امدادیہ) کی صحت یابی کے لئے دعا کی گئی، اس طرح یہ اجلاس بندہ راقم الحروف کی دعا سے اختتام پزیر ہوا۔ واللہ تعالیٰ وَلیّ التوفیق۔

تلاشِ معاش یا کارِ نبوت؟

جدید فضلاء اور ان کے سوشل میڈیائی ہمدردوں کی خدمت میں چند گزارشات

مولانا عبدالقدوس محمدی

مسئلہ تلاش معاش یا فکر معاش کا نہیں......اصل بات ترجیحات کے تعین اور مقصد اور نصب العین کو واضح کرنے کی ہے......جھگڑا مادیت پرستی اور ایمان کی کشمکش کا ہے۔

جب کوئی شخص حصول علم کے لیے دینی مدارس کی آغوش میں آتا ہے اور زندگی کے دس بارہ برس مسلمانوں کے تعاون، چندوں اور زکوٰۃ وخیرات سے اپنی تعلیم مکمل کرتا ہے،قوم نے اس کی کفالت کی ہوتی ہے،اس کی ذمہ داری بڑے عالی نصب العین کے تحت اٹھائی ہوتی ہے۔اس لیے اس طویل سفر سے گزر کر عالم دین بننے والے کا سب سے پہلا کام، اولین ذمہ داری اور سب سے پہلی ترجیح دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی ہی ہونی چاہیے۔تلاش معاش یا فکر معاش ایک انسانی ضرورت ہے مگر ثانوی چیز ہونی چاہیے-اس راستے کا انتخاب کرنے والے نے سوچ سمجھ کر اختیاری طور پر کیا تھا اور اب اسے اس پر کاربند رہنا ہے ہاں اگر کوئی مجبوری میں، اضطراری طور پر اس لائن میں آ گیا تھا اب اسے غلطی کا احساس ہوگیا کہ وہ غلط جگہ اور غلط راستے پر آ گیا تھا یا اس کی لائن یہ نہیں تھی تو یہ ایک الگ بحث اور موضوع ہے اور ایسے لوگ ظاہر ہے ہمارے مخاطب نہیں لیکن جو عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں، پیغمبرانہ وراثت و نیابت کے اعزاز سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ ہوں اور اپنی زندگی کسی عظیم کاز اور مشن کے لیے صرف کرنا چاہتے ہوں تو انہیں صرف فکر معاش اور تلاش معاش تک محدود نہیں رہنا بلکہ کارِ نبوت سرانجام دینا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر دینی ذمہ داریاں کہتے کسے ہیں؟......اس کا تعین ظاہر ہے کہ ہما شما کے بس کی بات نہیں بلکہ وراثت نبوت اور علوم نبوت حاصل کرنے والوں کے لیے مقاصد زندگی وہی ہیں اور وہی ہونے چاہئیں جو مقاصد نبوت کے طور پر قرآن کریم میں مذکور ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی

میں پڑے ہوئے تھے۔(الجمعہ)

جس عظیم پیغمبر کا راستہ اپنایا اب زندگی کا مقصد اور نصب العین بھی وہی ہونا چاہیے اور ترجیحات میں سرفہرست بھی یہی چیز رہنی چاہیے۔فکر معاش اور تلاش معاش۔تجارت وکاروبار بلاشبہ انسانی ضرورت اور فطرت کا تقاضہ ہے لیکن مقصد ہمیشہ مقدم رہے گا۔ترجیحات کی فہرست میں سرفہرست پیغمبرانہ کام ہوگا۔شناخت اور پہچان اپنے کام اور ذمہ داریوں کے حساب سے ہوگی۔

جب بھی وراثت نبوت اور طریق نبوت پر چلنے والا انسان اپنے اس ٹریک سے اترنے لگے گا تو اسے دوبارہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانا لازم ہے۔اپنی ترجیحات کی ترتیب کو از سر نو مرتب کرنا ضروری ہے اور اپنے مقصد اور نصب العین کو پھر سے اپنے دل ودماغ میں تازہ کرنا ہوگا ورنہ وہ سراغ زندگی کبھی نہیں پاسکے اور نہ ہی منزل مقصود تک پہنچ پائے گا۔

پرانے اور بھلے وقتوں میں عملی زندگی میں قدم رکھنے والے نوجوانوں کے لیے اکابر کی صحبت،معیت اور تربیت سب سے اہم ہوتی تھی۔نوجوان فضلاء اپنے بڑوں کے سائے اور رہنمائی میں اپنے اپنے سفر کا اغاز کرتے۔ان کی دیکھا دیکھی اپنے اہداف کا تعین کرتے۔ان کی رہنمائی میں اپنا طریقہ کار مرتب کرتے۔ان بڑوں سے بہت سی خصوصیات وصفات رفتہ رفتہ ان نوجوانوں میں منتقل ہوتی چلی جاتی تھیں لیکن اب صورتحال بدل گئی ہے۔اب میڈیا اور سوشل میڈیا کا دور ہے۔ہر انسان ظاہری چمک دمک سے متاثر ہوتا ہے۔کچھ لوگ میڈیا کے تراشے ہوئے بتوں کو آئیڈیل بنا لیتے ہیں۔کچھ غیروں کے پروپیگنڈہ سے اثر لیتے ہیں۔کچھ نئے جال لے کر آنے والے پرانے شکاریوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔کچھ تلاش معاش کے لیے نکلتے ہیں تو فکر ونظر سے خالی لوٹتے ہیں۔کچھ جدید تعلیم کے خواب دیکھتے ہیں اور پھر اپنی حقیقی شکل وصورت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔انسانی ضروریات اور مسائل ایک ایسی حقیقت اور فطری ضرورت ہے جس سے انسان کبھی بھی لاتعلق نہیں رہ سکتا اور نہ ہی رہنا چاہیے لیکن اس کے لیے ہمارے سامنے دو ماڈل ہیں:

ایک ماڈل وہی پرانا جو ہمارے اکابر اور بڑوں نے ہمیں سکھایا سمجھایا بتایا بلکہ کر کے دکھایا،اس میں ایمان بھی ہے،توکل بھی ہے،قناعت بھی ہے؛اور ترجیحات کا تعین بھی۔

دوسرا وہ راستہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً والا راستہ ہے......اس میں دین بھی ہے اور دنیا بھی،رزق حلال بھی ہے اور آخرت بھی۔

لیکن جو جدید راستہ ہے اس میں مادیت پرستی اور بے صبری ہے......درست تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا

ہے کہ انسان تلاش معاش کے لیے نکلتا ہے اور اپنے راستے سے بھٹک ہی جاتا ہے، کوئی ڈور ایسے الجھتی ہے کہ سرا ہی نہیں مل پاتا، کبھی ترجیحات ایسی اتھل پتھل ہوتی ہیں کہ انسان خود کو ہی نہیں پہچان پاتا، کبھی کسی کو رہبر سمجھ کر اس کے پیچھے ہولیتا ہے لیکن وہ رہزن نکلتا ہے، کبھی کسی کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتا ہے اور برسوں بعد خیال اتا ہے کہ وہ تو کسی اور ہی راستے کی خاک چھانتا رہا، کبھی کورسز اور کتابیں بیچنے والوں، کبھی لائکس اور ویوز سمیٹنے والوں، کبھی نیٹ ورک مارکیٹنگ والوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اور کبھی مضاربت کے نام پر دھوکہ دینے والوں کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی کسی اجنبی جگہ جا کر اپنے نظریات وافکار، اپنی وضع قطع، اپنی شکل وصورت، اپنا کردار وعمل، اپنے اہداف ومقاصد ہر ایک چیز کھو بیٹھتا ہے، اس لیے دینی مدارس کے فضلاء کرام کاروبار کریں اور ضرور کریں لیکن اپنے افکار ونظریات سے دستبردار نہ ہوں۔ تجارت ضرور کریں لیکن کار نبوت کو نہ چھوڑیں۔ داعیانہ مزاج اپنائیں۔ دوسروں پر اثر انداز ہوں دوسروں سے متاثر نہ ہوں۔ جس شعبے میں بھی جائیں سر اٹھا کر جینے کا ہنر سیکھ کر جائیں اور کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر لوٹیں۔ احساس کمتری اور احساس محرومی کے ساتھ واپس نہ پلٹیں۔

کاروبار اور ملازمت کرنے والے فضلاء کرام ان امور کا خیال رکھیں:

ایسے فضلاء کرام اور علماء کرام جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں...... تلاش معاش کے لیے کوء ملازمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں...... کسی اور شعبے میں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ چند چیزوں کا خیال رکھیں

۱...... فراغت کے فوری بعد ہی کاروبار، تجارت یا ملازمت کی تلاش میں نہ نکل کھڑے ہوں، پہلے اپنا دینی، تعلیمی، تربیتی سیٹ اپ بنانے کی کوشش کریں، علمی طور پر رسوخ حاصل کریں، عملی طور پر اپنے اندر ٹھہراؤ پیدا کریں، فکری طور پر مزید مضبوط ہوں، نظریاتی طور پر مزید پختہ ہوں، زمانہ طالب علمی میں جو کچھ پڑھا اور سیکھا اس کی کچھ مشق کر لیں، اپنی شناخت اور پہچان بنالیں اور اس کے بعد کاروبار، ملازمت یا کسی بھی دوسرے شعبے کا رخ کریں۔

۲...... یہ بات طے کرلیں کہ کاروبار، تجارت، ملازمت یا کوئی بھی راستہ ہے وہ دینی کاموں کا معاون اور خادم ہو اور مقصد حیات دینی خدمات ہی رہیں...... ضروریات کو ضروریات اور خواہشات کو خواہشات کے درجے میں رکھا جائیاور جب جب بھی دین اور دنیا میں تعارض اور کشمکش آئے؛ ایک چیز کا فیصلہ کرنا ہو تو دین کو اختیار کر لیں۔ کبھی بھی دل اور پیٹ کے مابین کوئی معرکہ برپا ہو جائے تو دل کی بات کو ترجیح دیں۔ کبھی بھی حالات اور ضمیر آپس میں ٹکرا جائیں تو ضمیر کا فیصلہ مان لیں۔ کبھی بھی نظریہ وافکار اور خواہشات ومفادات میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو نظریات وافکار کو ترجیح دیں۔

۳...... کسی مرکز سے وابستہ رہیں، کسی اللہ والے سے تعلق رکھیں، کھونٹا مضبوط ہونا چاہیے، کوئی نگران اور

سرپرست ہونا چاہیے، کسی بڑے کی دعاؤں کا سائباں ہونا چاہیے، اس بات کا مطلب صرف یہ نہیں کہ روایتی خانقاہوں سے برائے نام جڑنا کافی ہے کبھی انسان کے کوئی استاذ محترم، کبھی کوئی ایسا چھوٹا مدرسہ جس میں ابتدائی درجات پڑھے ہوں وہ بھی ایسا مرکز ثابت ہوتا ہے کہ بندہ صحیح رخ پر چلتا رہتا ہے۔ کبھی انسان کے اپنے دیہاتی اور اَن پڑھ والد کے لیے انسان کی آنکھ میں جو حیا اور احترام ہوتا ہے وہ کسی بھی پیر کامل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا کوئی بڑا بندے کی بیک پر ہونا چاہیے، انسان کو کٹی ہوئی پتنگ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

۴......جس شعبے میں جائیں......تجارت کریں، ملازمت کریں، جو بھی کریں وہاں مثال بنیں- ماڈل بنیں- جو دین پڑھا اس پر عمل کر کے دکھائیں- لوگوں کو بتائیں کہ دین کی برکات کیا ہیں؟ - مدارس کا فیض کیا ہوتا ہے؟ - تعلیم و تربیت کا نتیجہ کیا نکلتا ہے- حلال حرام کا فرق رکھیں- اچھے برے کی تمیز رکھیں- احتیاط والا طرز عمل اپنائیں اور یہ بات پیش نظر رکھیں کہ سفید کپڑے پر داغ جلد اور نمایاں نظر آتا ہے۔

۵......جو کمائیں ڈھانپ کر کھائیں، کامیابی حاصل کریں تو اسے ہضم کرنا سیکھیں، کہیں بھی جائیں تو بنیادوں کو فراموش نہ کریں، اپنے بڑوں کو نظر انداز نہ کریں، جن مدارس نے پالا پوسا، جن اساتذہ نے پڑھایا سکھایا ان کی نفی نہ کریں، ان پر تنقید نہ کریں- جس برتن میں کھایا اس میں چھید نہ کریں، اگر اپنے مدارس، اپنے اساتذہ، اپنے نظام، اپنے دین، اپنے خاندان اور اپنے پس منظر کی خدمت نہیں کر سکتے تو کم از کم تنقید کرنے سے- تبصرہ کرنے سے- مشکلات پیدا کرنے سے- لوگوں کو اس نظام سے متنفر کرنے اور دور کرنے سے باز رہیں- انسان جس درخت کے سائے میں کبھی بیٹھا ہو اس کا بھی لحاظ کرتا ہے اور جس دیہاتی اور بے وسیلہ بچے کو مدارس کے نظام اور سسٹم نے اور اساتذہ کرام کی شب و روز کی محنتوں نے ایک کامیاب انسان بنایا ہو وہ واپس پلٹ کر اسی نظام، اپنے مدارس اور اپنی محسن شخصیات پر نہیں برس پڑتا......بقول شاعر

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پہ برس پڑے

خاندانی انسان، اچھے مسلمان اور قابل تقلید دینی رہنماء ثابت ہوں۔ خیر خواہی کریں اور نافع بنیں۔ شکووں شکایتوں سے گریز کریں اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

☆......☆......☆

شخصیت

اُستاذ العلماء مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ!!

آسمانِ علم کا اک روشن ستارہ

مولانا مفتی عطاءاللہ، سرانان

بلوچستان خزینوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کے سنگلاخ پہاڑی سلسلوں کو قدرت نے معدنیات کی فراوانی عطا کی ہے۔ یہاں کی گیس اور کوئلہ سے ملکی صنعت کا پہیہ چلتا ہے۔ تاحد نظر صحراؤں میں سیم وزر کے بے شمار ٹیلے ہیں۔ تپتی زمین کی تہہ میں تیل کی مختلف اقسام بہہ رہی ہیں۔ پھل، پھول، باغات اور سبزیوں کی پیداوار سے یہ خطہ مالا مال ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرزمین بلوچستان کو اَرضُ العلم و البلاغۃ بھی بنایا ہے۔ یہاں کے طول وعرض میں ایسے گمنام مگر عالی مقام علماء کرام پیدا ہوئے جو نسبت علم میں سندِ تامہ رکھتے ہیں۔ جن کی زبان دانی سے علوم ربانی کے چشمے رَواں رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے علوم جن کی مسندِ درس کی زینت رہے۔ احادیث نبویہ جملہ مطالب کے ساتھ ان کی حلقہ درس کا پہچان بنے رہے۔ درس و دُروس نظامی تمام تر وسعتوں کے ساتھ زندگی بھران کا مشغلہ رہا۔

ایسی ہی ایک نابغہ روزگار شخصیت اُستاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ تھے۔ صوبہ بلوچستان کے ایک گمنام علاقے میں سالہا سال قال اللہ وقال رسول میں منہمک رہے۔ ہماری اس مادہ پرستی اور جاہلیت جدیدہ کے پرآشوب زمانے میں جن بزرگوں پر قرونِ اولیٰ کے نفوس کا گماں ہوتا ہے؛ شیخ صاحب انہی نفوسِ مطہرہ کے مظہر تھے۔ جنہیں دیکھ کر اسلاف کی تابندہ یادیں تازہ ہوتیں۔ وہ مجسم آوازہ حق تھے۔

علمی ذکاوت کی لازوال داستانیں حضرت شیخ صاحب کے دامن سے وابستہ رہیں۔ علم وفن کے تاجدار تھے۔ روایت حدیث میں سلف کے امین تھے۔ جن کی اطراف مستعار میں برکتیں نزول کیلئے مچلتیں۔ جن کے وجودِ علمانہ پر فرشتے رشک کرتے۔ جن کی موجودگی پہ زمین نازاں تھی۔ جن کا سونا بھی عبادت تھا۔ جو عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرتاپا غرق تھے۔ ایسے قافلے کے ایک اور راہرو وقت کے بحر العلوم شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ بھی جانب جاناں چل دئے۔ اکابرامت کا پے درپے یوں چلے جانا۔ علم کے اٹھ جانے کا سبب ہے۔ ہم نے گزشتہ چار پانچ برسوں میں ایسے سینکڑوں مقتدر علماء کرام کو تہہ خاک جاتے دیکھا؛ جن سے حصول علم کے پروانے یتیم ہوگئے۔

حضرت شیخ صاحب غالب معلومات کے مطابق 1939 کو ضلع قلعہ سیف اللہ تحصیل مسلم باغ، علاقہ کنجوغی کلی

فردوس میں محمد حسن کے گھر میں پیدا ہوئے۔ وہ قوم کاکڑ، قبیلہ عیسیٰ خیل کی بارگزئی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی علوم آبائی وطن کنجوغی میں حاصل کی۔ عربی، فارسی اور دیگر فنون معتبر علمائے کرام سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم حدیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم،، کی حصول کیلئے ثانی دیوبند جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک چلے گئے۔ جہاں 1389 ہجری بمطابق 1969 کوسند فراغت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ کرام میں:

(1) بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

(2) زینۃ المحدثین حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ رحمہ اللہ

(3) غزالی زماں مولانا عبدالحلیم (صدر مولوی صاحب) رحمہ اللہ

(4) اُستاذ السالکین مولانا مفتی محمد فرید رحمہ اللہ

(5) شیخ الحدیث مولانا فضل مولیٰ صاحب رحمہ اللہ

(6) جامع المنقول والمعقول مولانا عبداللہ جان رحمہ اللہ

شامل تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ نے 55 سال مسند درس کو جلا بخشی۔ اَحادیث نبویہ میں سینکڑوں علماء نے ان سے فیض حاصل کیا۔ حضرت شیخ صاحب کے تلامذہ مختلف محاذوں پر دین متین کی خدمات میں مصروف ہیں۔

تصوف وسلوک میں حضرت شیخ صاحب چاروں سلاسل سے وابستہ تھے۔ تصوف کے سلسلہ بنوریہ میں خانوادہ سادات کے عظیم سپوت مولانا سید محمد طاہر آغا عرف سید باچا آغا سے خلافت حاصل کی تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ معصومیہ میں اُستاذ الطریق والتزکیہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ صاحب کو خلافت دی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد شریف اللہ رحمۃ اللہ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا عبدالحیٔ مدظلہ خضدار والے اُستاد الحدیث جامعہ تفسیریہ شمس العلوم رحیم یار خان سے خلافت حاصل کی۔ سلاسل اربعہ (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سروردیہ میں اُستاد الواعظین مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمہ اللہ نے ازخود اجازت وخلافت عطاء کی تھی۔ حضرت شیخ صاحب، خواجہ خواجگان کے فرزند ارجمند مولانا خلیل صاحب کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ ریگی رحمہ اللہ درس وتدریس کے ساتھ دعوت وارشاد کے شعبہ میں بھی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے اندرون ملک سال اور بیرون ملک سات مہینے تبلیغی اسفار کیے۔ جب تک بہ قید صحت رہے۔ سالانہ تبلیغی چالیس روزہ سفر کرتے رہے۔ اپنے فاضل تلامذہ کو بھی تبلیغ اسلام میں اپنی صلاحیتیں صرف

کرنے کی نصیحت فرماتے۔حضرت شیخ صاحب نے اصلاح عام کی نیت سے مختلف علاقوں میں امامت کے فرائض بھی انجام دیے۔ جہاں درس وتدریس، تزکیہ نفس اور اصلاح العوام کی خدمات میں زندگی کا بیشتر حصّہ گزارا۔

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ دین اسلام کی دیگر شعبوں کی طرح جہاد فی سبیل اللہ سے بھی محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے مختلف جہادی اسفار بھی کیے۔آج بھی امارت اسلامیہ افغانستان میں اہم مناصب پر حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔تصوف اور اصلاح نفس کے شعبہ میں ہزاروں علماء کرام اور سینکڑوں نیک وصالح عوام حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے مرید ہیں۔

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ نے ضلع پشین تحصیل بوستان، علاقہ ریگی میں ''جامعہ ریاض العلوم'' کی بنیاد رکھی۔ جامعہ ریاض العلوم کا شمار ملک کے قدیم معروف جامعات میں ہوتا ہے۔جامعہ ھٰذا وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق ہے۔گزشتہ پندرہ سال سے جامعہ ریاض العلوم ریگی بوستان کو وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات میں سنٹر کا درجہ حاصل ہے۔ یہاں سے سینکڑوں افراد عالم فاضل بن کر پاکستان وافغانستان میں علوم ربانی کی خدمت میں مصروف ہیں۔

19 جون 2023 بروز سوموار علوم نبوت کا یہ نازنین حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ ریگی رحمہ اللہ بوقت مغرب حالت نماز میں دوسری رکعت سجدے میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ان کا نماز جنازہ منگل 20 جون 2023 کو 11 بجے حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے فرزند و جانشین حافظ احمد علی صاحب نے پڑھایا۔انہیں کلی حاجی اسدخان ریگی میں عظیم مبلغ وداعی مولانا محمد عباس رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

> بلا شبہ اسلام غیرت وحمیت کا دین ہے، یہ اپنے ماننے والوں سے راست تقاضا رکھتا ہے کہ وہ خود کو مغضوب علیہم اقوام سے الگ اور ممتاز رکھیں، انہیں اپنا محرمِ راز، اور دِلی دوست نہ بنائیں، نہ اعلیٰ مملکتی عہدے دیں۔ یاد رکھیں! غیرت وحمیت سے محروم اَقوام کبھی بھی اپنی آزادی، اپنے مذہب اور دین کا تحفظ نہیں کرسکتیں۔جس قوم کے اندر غیرت ایمانی کا جذبہ ہوگا تو اس کا دین بھی محفوظ رہے گا، اس کی نسل بڑھے گی، اس کا معاشرہ تعمیری زندگی گزار سکے گا۔

تبصرہ کتب

''تحریک تحفظ ختم نبوت'' (ج:۲)

1952-1947

تالیف: ڈاکٹر محمد عمر فاروق۔ صفحات: 760۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ رابطہ نمبر 03008020384

مجلس احرار اسلام برصغیر پاک و ہند کی وہ جماعت ہے جس کے دامن میں تاریخ کے اُجلے نقوش اور ماضی کا تابناک کردار ہے۔ مجلس احرار اسلام نے ایک طرف جہاں انگریزی استعمار کا بوریہ بستر لپیٹنے کے لیے بے پناہ جدوجہد کی وہیں انگریز کے خود کاشتہ پودے قادیانیات کے تعاقب میں بھی بے مثال کردار ادا کیا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ قادیانیت کے تعاقب کے لیے جہاں علمی سطح پر جدوجہد ضروری تھی وہیں ایک عوامی تحریک کی بھی ضرورت تھی۔ یہ دونوں کام مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے ہوئے۔ قادیانیت کے تعاقب کے لیے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری نوراللہ مرقدہ کے ایماء پر ایک مستقل شعبہ تبلیغ ''تحفظ ختم نبوت'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تاحیات اس کے رکن رہے، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ نے بھرپور سرپرستی فرمائی۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس کے پہلے امیر تھے، حضرت مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری، مولانا غلام غوث ہزاروی اور دیگر علماء حق کی قیادت میں قادیانیت کے خلاف زوردار تحریک چلائی گئی۔

مورخ اَحرار جناب ڈاکٹر عمر فاروق صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے احرار کی اس تابناک تاریخ کو ترتیب وتدوین کے جانگسل مراحل سے گزارا اور آج وہ اس قابل ہوئے کہ اس سلسلے کی دوسری ضخیم جلد پیش کرسکیں۔ قبل ازیں اسی عنوان سے پہلی جلد بھی آچکی ہے۔ زیرتبصرہ جلد 1947 سے 1952 تک کے واقعات واحوال کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ وہ دور ہے جب پاکستان اپنے قیام کے عہد طفولیت سے گزر رہا تھا۔ بیشتر قادیانی اپنا بوریہ بستر سمیٹ کر پاکستان چلے آئے تھے اور اس نوزائیدہ مملکت میں خاص حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کے ریاستی نظام اور سماجی محور میں اپنے قدم جمانے کی سازشوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ ایک زوردار تحریک چلا کر نوزائیدہ مملکت میں قادیانیت کے قدم جمنے سے پہلے ہی اُکھیڑ دیے جائیں۔ یہ بھی اس عہد کی عجیب داستان ہے۔

ہمارے خیال میں اگر کوئی شخص قیام پاکستان کی ابتدائی تاریخ پڑھنا چاہتا ہے تو اس کتاب کو نظرانداز نہیں کیا

جاسکتا۔ کیونکہ پاکستان کا پہلا وزیرخارجہ ظفراللہ خان قادیانی تھا۔ ظفراللہ خان نے جس طرح اپنی سرکاری حیثیت کو قادیانیت کی تبلیغ اور استحکام کے لیے استعمال کیا وہ ہماری ملکی تاریخ کا ایک بدترین دھبّہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح قادیانیوں نے سازشیں کرکے پاکستان کی حد بندی میں گھپلا کرایا، جس کی وجہ سے نہ صرف کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا بلکہ دریاؤں کی تقسیم سے پاکستان کی بہت سی اراضی بنجر زمینوں میں تبدیل ہوگئی۔ اسی ظفراللہ خان قادیانی نے اپنے عہدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بیرون ممالک قادیانیت کے پھیلاؤ کے لیے سہولت کاری انجام دی۔ اس پس منظر میں مجلس احرار اسلام کی برپا کردہ ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کی حقیقی اہمیت آشکارا ہوتی ہے، کہ احرار نے مسلمانانِ پاکستان کے نہ صرف عقیدہ وایمان کے تحفظ کا بندوبست کیا بلکہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کے استحکام کے لیے بھی بنیادی کردار ادا کیا۔

''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کی حالیہ جلد بھی پہلے کی طرف ظاہری اور معنوی حسن سے مزین ہے۔ ترتیب وتدوین، کاغذ، طباعت......سب اعلیٰ معیار کے حامل ہیں۔ آغاز کتاب میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خان خاکوانی دامت برکاتہم، حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد دامت برکاتہم، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب ناظم اور استاذ دارالعلوم دیوبند مولانا شاہ عالم گورکھپوری مدظلہ، کی تقریظات اور مجلس احرار اسلام کے امیر سید حافظ محمد کفیل بخاری زید مجدہ کا مقدمہ شامل ہے۔ مورخِ احرار جناب ڈاکٹر عمر فاروق صاحب کا پیش لفظ بھی قابل مطالعہ ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے ہمارے مدارس کی لائبریریوں میں جگہ دی جائے۔

تذکرہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

تالیف: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ صفحات: 536 طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ۔ 291، کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ رابطہ نمبر 0321-4467390

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ہمارے اکابر علماء حق کے سلسلہء مروارید کے ایک فردِ فرید تھے، علم وتقویٰ میں یکتا، ایسے کہ جنہیں محض بائیس برس کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں محدث العلّام حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کے زیرسایہ وشفقت تدریس کا موقع ملا، علوم نبویہ کا کون سا گوشہ تھا جہاں آپ کی رَسائی نہ ہو۔ آپ نے تفسیر، حدیث، کلام، عقائد، فقہ، ادب میں یادگار کتابیں چھوڑی ہیں، تمام عمر تدریس سے وابستہ رہے، اس لحاظ سے ہزاروں علماء نے آپ سے کسبِ علم کیا۔ آپ علم وکردار میں علماءِ سلف کی یادگار اور ان کا پرتو تھے۔ خوددار، غیرت مند، للّٰہیت کا مرقع تھے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ان شخصیات میں سے ہیں

جن کے نقوش کبھی مدہم نہیں ہوں گے۔ضرورت تھی کہ حضرت رحمہ اللہ کی سوانح مرتب ہواور متعلقین کی تسلی کا سامان بنے،اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1977ء میں شائع ہوا تھا۔اب برس ہا برس کے بعد دوسرا ایڈیشن کئی مفید اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔اس میں حضرت رحمہ اللہ کی پیدائش، تعلیمی و تدریسی زندگی، علمی آثار، تعلیمی نظریات، اساتذہ، ہم عصر علماء، اہل باطل کے خلاف جہاد، ذوقِ شعروادب، عشقِ رسول، اخلاق و عادات، روحانی شرف جیسے عنوانات کے تحت آپ کی حیاۃِ مبارکہ کے جاوِداں نقوش کو جمع کیا گیا ہے۔اس کتاب کا مطالعہ محض ایک شخصیت سے روشناس نہیں کراتا بلکہ آپ کے دیگر بہت سے ہم عصر علماء کا تعارف بھی کراتا ہے۔

مسئلہ فلسطین

تالیف: مولانا زاہد الراشدی مدظلہ۔صفحات: 221۔ملنے کا پتا: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، نوشہرہ، کے پی کے، رابطہ نمبر 0346-4010613

7/اکتوبر 2023 کو حماس مجاہدین نے غاصب اسرائیلی ریاست دفاعی حملہ کیا تو گویا پوری دنیا میں ایک بھونچال آ گیا۔اس سے قبل راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا،اور عالم اسلام میں ہر طرف اسرائیلی غاصب ریاست کو تسلیم کرنے ، اس کے ساتھ سفارتی، تجارتی اور سماجی تعلقات قائم کرنے کے معاہدے آخری مراحل میں داخل ہو چکے تھے۔اس پس منظر میں حماس مجاہدین کے حملوں نے اس منصوبے کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا، اُدھر ان حملوں کے بعد اسرائیل نے جس طرح فلسطینیوں کی نسل کشی کی اور شہری آبادیوں پر بے دریغ تباہ کن بمباری کر کے بڑے بڑے محلے تباہ کیے تو پوری دنیا میں اس کے خلاف جاندار ردّعمل سامنے آیا، اسی ضمن میں قضیہء فلسطین کو سمجھنے کی خواہش بھی ہوئی کہ آخر کیونکر یہ معرکہ برپا ہے؟۔مسئلہ فلسطین آج کا نہیں،اس پر دہائیاں گزر چکی ہیں،ایک غاصب ریاست مستقل طور پر فلسطینیوں کے حقوق کو دبا کر بیٹھی ہے،اس مسئلے پر اہل علم وقلم نے بہت کچھ لکھا ہے،حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب زیدمجدہم صاحب علم وقلم اور باخبر عالم ہیں۔انہوں نے مختلف اوقات میں متعدد مضامین مسئلہ فلسطین پر لکھے۔ان مضامین کے مطالعے سے اس مسئلے کی صحیح نوعیت جاننے کا موقع ملتا ہے۔مولانا حافظ خرم شہزاد صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کو بھانپتے ہوئے ان مضامین کو جمع کیا اور بہت کم عرصے میں ترتیب وتدوین کے مراحل سے گزار کر قارئین کے مطالعے کے لیے پیش کیا ہے،اس کتاب میں مسئلہ فلسطین کا پس منظر، بیت المقدس اور مسلم حکمران، تاریخ یہود اور اسرائیل، مسئلہ فلسطین اور مغرب، اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بحث جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اب یہ کہنا کہ یہ کتاب لائق مطالعہ ہے اضافی بات

ہوگئی۔کتاب کا موضوع اور مولف محترم کا نام ایسا ہے کہ یہ کتاب بلا تامل خرید لینی چاہیے۔

پروفیسر قاری بشیر حسین حامد

تالیف: حافظ صہیب علی، صفحات 424۔طباعت۔مناسب۔قیمت: 500روپے ملنے کا پتا: مکتبہ حامدیہ نواں شہر ایبٹ آباد، رابطہ نمبر 0321-9834142

پروفیسر قاری حافظ بشیر حسین حامد ایبٹ آباد کی معروف علمی شخصیت تھے، صاحب ذوق اہل قلم تھے۔آپ کے قلم سے کئی مفید کتابیں اور کتابچے نکلے، ان کتابوں میں ایک ''تذکرہ علماء ایبٹ آباد' یادگار ہے۔اس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں ہیں، جو قاری صاحب کے علمی ذوق کا پتا دیتی ہیں۔ جناب حافظ صہیب علی صاحب نے ان کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک سوانحی کتاب مرتب کردی ہے۔اس سے پروفیسر قاری بشیر حسین صاحب کی زندگی کے بہت سے پرتو کھلتے ہیں، یہ کتاب بایں طور مطالعہ کے قابل ہے کہ بہت سے لوگ نام ونمود کی طلب کے بغیر ایسے علمی کارنامے انجام دے جاتے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ان کی جہد مسلسل اوروں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے۔

ہدایۃ النحو

تحقیق وتعلیق وتلخیص: مولانا امان اللہ نادر۔صفحات: 254۔طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی۔رابطہ نمبر 021-34571132

''ہدایۃ النحو'' درس نظامی میں شامل نحو کی بنیادی کتاب ہے۔اور یہ ایسی کتاب ہے کہ علم النحو کے بعد اسے محنت سے پڑھ لیا جائے تو دیگر بہت سی کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہے۔اس کتاب کو' ادارہ الفاروق' نے اپنے خاص طباعتی معیار کے مطابق شائع کیا ہے۔اس کتاب کی تحقیق وتلخیص اور تعلیق کا اہم کام جامعہ فاروقیہ کے استاذ مولانا مفتی امان اللہ صاحب نے حضرت مولانا عبید اللہ خالد مد ظلہم کی نگرانی میں انجام دیا ہے۔انہوں نے اپنے کام کے حوالے سے جن نکات کا ذکر کیا وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ میں منقول فارسی عبارات کو عربی میں منتقل کیا ہے۔(۲) اسی طرح بین السطور فارسی کو بھی عربی جامہ پہنایا ہے۔(۳) بعض مبہم مقامات کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ نسخوں کے اختلاف کو بھی دور کیا ہے۔(۴) کتاب کے تمام شواہد کے حل کو لغت، معنی اور اعراب کے ذکر کے ساتھ اوران کے محل استشہاد اور وجوہِ اعراب کا بھی تعین کیا ہے بنیادی طور پر یہ کتاب وفاق المدارس کے اس فیصلے کی طرف ایک سفر ہے جس میں طے کیا گیا ہے کہ نصاب کو بتدریج عربی کی طرف منتقل کیا جائے گا۔